ماہنامہ

الرشید

لاہور

ساہیوال

اشاعتِ خصوصی مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ نمبر

جنوری 2001ء

مدیرِ مسئول: عبدالرشید ارشد

ماہنامہ
الرشید
لاہور

مجلسِ ادارت

سرپرست
حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

مدیر مسئول
عبدالرشید ارشد

مدیران معاون
محمد عاصم ندیم' راشد فاروق چودھری

نمائندگان بیرون ملک
مولانا عیسیٰ منصوری لندن' مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر
مولانا محمد افضل مانٹریال' چودھری اکرم راہی گلاسگو
مولانا محمد رفیق واشنگٹن (امریکہ)' مولانا عبیدالرحمن کیلیفورنیا
مولانا حبیب الرحمن خطیب مرکزی مسجد گلاسگو

سرکولیشن منیجر: حماد ارشد
مدیران انتظامی: سجاد ارشد' عمران ظہیر
آرٹ ایڈیٹر: محمد علی
ناشر: عبدالرشید ارشد
مقام اشاعت: ۵ ۳ ولوئر مال لاہور فون: ۷۱۱۱۸۹۹
پرنٹر: زاہد بشیر پرنٹرز ریٹی گن روڈ لاہور

فی شمارہ	۱۵/- روپے
سالانہ چندہ	۱۵۰/- روپے
غیر ممالک سے	۲۵/- امریکی ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنوری ۲۰۰۱ء	شوال ۱۴۲۱ھ
جلد: ۲۸	شمارہ: ۵

فہرست

پنجاب کی سرزمین کے دوزخ	نثیت کجاہی' سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ	۲
واردات ومشاہدات	عبدالرشید ارشد	۳
شہبازِ خطابت	مولانا اسماعیل شجاع آبادی	۴۲
عظیم موحد	عثمان بیگ فاروقی	۴۷
کیمبرج کا ایک جلسہ اور مولانا عطاء المحسن بخاری کی بےمثال جرأت	عبدالرشید ارشد	۵۰

عبدالرشید ارشد

واردات ومشاہدات

جامعہ رشیدیہ منٹگمری (حال ساہیوال) مدرسہ عربیہ رائے پور گوجراں تحصیل نکودر ضلع جالندھر کا وارث تھا رائے پور گوجراں سے پہلے یہ مدرسہ بنام مدرسہ رشیدیہ (احقر نے بھی نکودر کے اس مدرسہ میں پڑھا ہے اس وقت اس کا نام مدرسہ خلیلیہ تھا لیکن ایک جگہ "مدرسہ عربی سبیل الرشد" کا پتھر لگا ہوا تھا۔) نکودر تھا اس کے سرپرست امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے خلیفہ ارشد حضرت حافظ محمد صالح م اور مہتمم حضرت گنگوہیؒ ہی سے بذریعہ خط بیعت کرنیوالے حضرت مولانا فضل احمد (م ۱۹۶۴ء) تھے۔ بذریعہ خط بیعت کرنیکی تقریب یہ ہوئی کہ مرحوم یو۔پی کے ایک قصبہ باڑہ میں پڑھاتے تھے جہاں بدعتی لوگوں کی کثرت تھی اور طاعون کی وبا بھی پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا کے دل میں یہ خیال آیا کہ میری کسی سے بیعت نہیں ہے اگر اسی حال میں مرگیا تو بغیر بیعت کے مروں گا (روایت سید نفیس الحسینی مدظلہ) اور بیعت کا ثبوت قرآن پاک سے ہے کہ

یا ایھا النبی اذا جاء ک المومنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللّٰہ شیأ ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللّٰہ ط ان اللّٰہ غفور الرحیم (سورۃ الممتحنہ آخر سورۃ)

اے نبی جب آئیں تیرے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کے ساتھ کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں اور بہتان نہ لائیں کہ افتراء کریں اپنے پاؤں اور ہاتھوں میں اور تیری نافرمانی نہ کریں نیک کام میں تو ان کو بیعت کرلے اور معافی مانگ ان کیلئے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

بعض حلقوں کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ بیعت شرعاً ثابت نہیں ہے ہاں غیر مسلم اسلام لاتے وقت بیعت کرتے تھے قارئین غور فرمائیں کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں مومنات کے لفظ ہیں کہ جب مومن عورتیں بیعت کیلئے آئیں۔ جس طرح افراد یا کسی خاندان کے لوگ "فیملی" ڈاکٹر سے علاج کراتے ہیں کہ خاندانی ڈاکٹر کو پورے خاندان کے مزاج اور بیماریوں کا علم ہوتا ہے وہ اس کو سامنے رکھکر اپنے مریض کا علاج کرتا ہے اور بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ مریض ہر کس وناکس کے سامنے بیان نہیں کرتا اپنے رازدار اور خاندانی طبیب سے کھل کر بیان کرتا ہے ایسے ہی روحانی امراض ہیں کہ مرید اپنے شیخ سے اپنے بارے میں ہر بات تفصیل سے بیان کرتا ہے اور مرشد یا شیخ کے پاس ان گنت افراد آتے اور اپنا روحانی علاج کراتے ہیں۔ مثلاً میں آج ہی ایک بڑے عالم جو بعد میں خود بڑے شیخ ہوئے اور ہزارہا علماء نے ان سے کسب فیض کیا، کے حالات پڑھ رہا تھا انہوں نے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو بیعت ہونے اور حاضری کیلئے خط لکھا اور اپنے تفصیلی حالات لکھے تو حضرت تھانویؒ نے ان کی بیماری کی تشخیص رکبر بیان فرمائی جو تسلیم کی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ان کی اصلاح ہوگئی اور اس کے بعد دوسروں سے بیعت کرنیکی

اجازت ہوئی (ع بیعت کی شرعی ضرورت واہمیت پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے اجمالاً کچھ اشارہ کردیا ہے) راقم نے تین بڑے مسلمان میں ''تذکرۃ الرشید'' کا خلاصہ کیا ہے اس کے ۱۹۰ اص پر ہے۔

بیعت کا لفظی معنی دست بردست یک دیگر نہادن وعہد بستن۔ کسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنا اور اصطلاحاً مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان کسی اچھے پرہیزگار متقی، عالم، باعمل اور باصلاحیت شخص کے ہاتھ پر توبہ کرلے کہ میں آئندہ سے نیک کام کرونگا اور گناہوں سے اجتناب کرونگا اور یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر اس طرح کا عزم وہ اکیلا کرے تو اس میں وہ استقلال واستقامت پیدا نہیں ہوتی جو ماضی کی عادات کو چھوڑنے اور استقبال میں اچھی عادت پیدا کرنے میں کام دے سکے خلیق احمد نظامی نے ''تاریخ مشائخ چشت'' میں ''مقصد بیعت'' کے عنوان سے ایک عنوان قائم کیا ہے اس میں ایک جگہ چند سطروں میں بیعت کا فلسفہ بیان فرماتے ہیں:۔

> حقیقت یہ ہے کہ بیعت میں ایک نفسیاتی مصلحت پوشیدہ ہے۔ جب انسان اپنے ماضی کا تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتا ہے تو بہت سی باتیں اس کو اخلاق ومذہب کے خلاف نظر آتی ہیں اس کا ضمیر ملامت کرنے لگتا ہے وہ دل ہی دل میں اپنی معصیتوں سے توبہ کرتا ہے لیکن اسے اطمینان نہیں ہوتا اس سے قلب میں ایک بے چینی سی ہوجاتی ہے ماضی کا تصور اس کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے اس کی توبہ اس تصور پر غالب نہیں آتی۔ اب وہ ایک پاک باطن نیک نفس انسان کے ہاتھ پر ترک ماضی اور تقوی کا عہد کرتا ہے شیخ یقین دلاتا ہے کہ تائب با متقی برابر است (یہ حدیث نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہے التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔ توبہ کرنے والی کی مثال اس شخص کی سی ہے جس سے کبھی گناہ نہیں ہوا (ابن ماجہ باب ذکر التوبہ) اس کے دل کے زخموں پر ایک پھاہا سا لگ جاتا ہے وہ اپنے مستقبل کوئی امید واں محکم یقین اور بیدار احساس کے ساتھ سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔ (ع تاریخ مشائخ چشت صف ۴۳)

حضرت مولاناؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو بیعت کیلئے خط لکھا اور حضرت گنگوہیؒ نے مولانا کو بذریعہ خط بیعت کرلیا۔ ہاپڑ میں اکثریت رسم ورواج کے پابند لوگوں کی تھی ایک دن قصبہ والوں نے مولود کرایا اور اس میں رواج کے مطابق قیام کیا۔ حضرت مولانا بیٹھے رہے اور دل میں کہا کہ اتنے بڑے متبع سنت شیخ کا مرید ہوں وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ مجھے بھی اب کسی کا خوف نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ مولوی تو وہابی ہے اسکو نکالو لیکن آپ کے پاس دو لڑکے سادات کے پڑھتے تھے ان کے والد نے کہا کہ آپ میرے بچوں کو پڑھاتے ہیں پڑھاتے رہیں ان میں سے ایک کا نام سید فخر الدین تھا جو پھر دار العلوم دیوبند میں پڑھکر بڑے عالم بن کر مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد میں صدر مدرس رہے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد دار العلوم دیوبند میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے اور بہت سال بعد آپ کا انتقال ہوا ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء سے ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۳ء تک دار العلوم میں آپ سے ۱۱۶۱ طلبہ نے بخاری شریف پڑھی (وفات تک یہ تعداد ہزاراں ہزار سے کیا کم ہوگی) بہت اونچے درجے کے محدث تھے۔ حضرت مولانا فضل احمدؒ اپنے گاؤں رائے پور گوجراں سے سات میل پیدل چل کر نکودر آتے اور شام کو واپس پیدل رائے پور جاتے۔ یہاں نکودر میں

تحریر میں آجائیں کہ ان کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی سوانح حضرت مولانا سید علی میاں (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) نے لکھی ہے اس میں رائے پور گوجراں آنیکا ذکر نہیں ہے جبکہ میں اس کا عینی شاہد ہوں اور یہ بھی علم ہے کہ حضرت رائے پوری جب بھی پنجاب تشریف لاتے تو اکثر رائے پور تشریف لاتے لیکن اس کی روایت حضرت حافظ محمد صالحؒ کے جانشین حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری (م ۱۹۸۲ء) کرتے لیکن وہ چھپنے چھپانے کی باتوں سے الگ رہتے تھے میں نے بچپن سے لیکر تاوفات آپ کی بیسیوں مرتبہ زیارت کی لیکن ان کے منہ سے اپنی اور اپنے والد حضرت حافظ محمد صالحؒ کی تعریف تو کیا تذکرہ بھی دو چار دفعہ ایسے سنا کہ میرا باپ ہندا سی۔ صحیح معنوں میں صوفی اور حال مست تھے۔ حافظہ بہت عمدہ تھا ایک پوری تاریخ تھے۔ آپ مدرسہ عربیہ رائے پوری میں صدر مدرس تھے اور حضرت مولانا فضل احمدؒ کے ساتھ رشتہ تھا کاش ان حضرات سے ان کے بچپن سے لیکر تارحلت حالات پوچھے جاتے تو ایک ضخیم دستاویزی کتاب تیار ہو جاتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مفتی پنجاب حضرت مولانا فقیر اللہؒ (م ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۲ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۶۳ء) حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد خاص اور تحریک ریشمی رومال کے گمنام محرک فرد تھے۔ اس تحریک کے سرگرم قائدین حضرت خواجہ غلام محمد دین پوری (م ۱۹۳۶ء) اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ (م ۱۹۶۲ء) اس تحریک میں ضلع جالندھر کے دو قصبوں علی الترتیب نور محل اور راہوں میں نظر بند رہے یہ دونوں قصبے رائے پور سے آٹھ دس میل تھے لہٰذا سارے حضرات وقتاً فوقتاً ان حضرات کو ملنے نور محل اور راہوں جایا کرتے تھے حضرت مولانا فضل احمدؒ کے دو بیٹے مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ مقبول احمد رائے پور ہی میں جوانی میں فوت ہو گئے۔ اس پر انہوں نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا اور راضی برضائے الٰہی رہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے کوئی اولاد زندہ نہ رہی ایک بیٹی بچپن میں فوت ہوئی تو راقم اپنی عمر کے دسویں گیارہویں سال رائے پور پہلی دفعہ گیا حضرت کی بیٹی کی تدفین میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ اور بیٹے سارے کے سارے عالم حافظ اور بہت معروف ہوئے۔ بڑے بیٹے حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہؒ (م ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ / ۱۷ جون ۱۹۸۵ء) اونچے درجے کے عالم اور شیخ الحدیث تھے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کو ان پر ناز تھا قیام پاکستان سے قبل مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر میں دورہ حدیث پڑھا جبکہ لوگ ان دنوں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور جاتے تھے ہاں ان کے ساتھ حضرت مولانا فضل محمد کوٹوی بھی شریک تھے اور ان پر بھی حضرت مولاناؒ کو فخر تھا یہ مولانا پیر محمدؒ خطیب کوٹ بادل خاں کے فرزند دلبند تھے اور ان کے جد امجد غالباً ہمارے گاؤں ہری پور کے تھے۔ مولانا پیر محمد مرحوم قیام پاکستان کے بعد کسووال کے قریب ایک گاؤں میں آباد ہوئے۔ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ سپاہ صحابہؓ کے مشہور قائد کے ایک عزیز حافظ ہدایت اللہ سلیم پوری اور احقر نے ایک سال ابتداء میں اس چک میں قرآن پاک سنایا۔ مولانا فضل محمدؒ قیام پاکستان سے قبل پٹی ضلع قصور میں خطیب تھے۔ بعد ازاں قصور کوٹ مراد خاں رہے اور کچھ عرصہ جناح کالونی کی جامع مسجد میں بھی خطیب رہے۔

مولانا حبیب اللہ نے اوٹی کیا اور قیام پاکستان سے قبل ہوشیار پور۔ فاضلکا اور چنیوٹ کے ہائی سکولوں میں فارسی عربی اور اردو کے

استاد رہے ہوشیار پور میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق (م ۱۹۸۵ء) بھی پڑھاتے تھے برق صاحب نے ان دنوں مولانا سے عربی کے ابتدائی اسباق پڑھے اور چنیوٹ میں علامہ طالوت عبدالرشید نسیم (م ۱۹۶۳ء) بھی ان دنوں پڑھاتے تھے علامہ اقبال اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے درمیان متحدہ قومیت کی بحث میں علامہ طالوت نے ثالثی کا کردار کیا تھا مولانا حبیب اللہ (م ۱۹۸۵ء) ان کے معاون تھے۔ مولانا حبیب اللہ مرحوم کے پاس اس ساری خط وکتابت کی نقل تھی جو قیام پاکستان پر ضائع ہوگئی۔ مشہور اہل قلم اور بی بی سی لندن میں برسوں کام کرنیوالے جعفر قاسمی م ان دونوں کے شاگرد اور ان کے اخلاص وللہیت کے معترف تھے۔ مولانا حبیب اللہ جب فاضلکا میں پڑھاتے تھے تو فاضلکا کے ایک نیک نام تاجر حاجی فیروز دین ان کے دوست اور معتقد تھے قیام پاکستان کے بعد وہ منٹگمری میں آباد ہوئے اور غلہ منڈی میں ایک وسیع وعریض جامع مسجد تعمیر ہوئی جس میں اکثر زرتعمیر حاجی فیروز دین نے مہیا کیا اور مولانا حبیب اللہ اس کے پہلے خطیب مقرر ہوئے پھر (تقریباً) دونوں نے مل کر جامعہ رشیدیہ کی غلہ منڈی کے باہر ملتان لاہور روڈ پر بنیاد رکھی مفتی فقیر اللہ اپنے اہل وعیال سمیت (ماسوائے مولانا حبیب اللہ) غالباً پہلے کوئٹہ اپنے شاگرد حضرت مولانا عرض محمد کے پاس مطلع العلوم بروری روڈ کوئٹہ گئے (نہ حضرت مفتی فقیر اللہ آخر عمر میں رائے پور میں نابینا ہوگئے تھے میں نے مولانا حبیب اللہ صاحب سے ان کا کوئٹہ تشریف لیجانا تو سنا ہے ظاہر ہے کسی کے ساتھ ہی گئے ہوں گے افسوس کہ تفصیل نہ پوچھی (ارشد) اور پھر قاسم العلوم فقیر والی مقیم ہوگئے قاسم العلوم کے بانی حضرت مولانا فضل محمد (م ۱۹۸۱ء) رائے پور کے پرانے طالب علم تھے۔ مفتی صاحب حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب اور تیسرے بیٹے مولانا قاری لطف اللہ (م ۱۹۵۶ء) نے یہاں پڑھانا شروع کردیا لیکن جب مولانا حبیب اللہ نے منٹگمری میں جامعہ رشیدیہ کا اجراء کردیا تو ان کی درخواست پر پورا خاندان منٹگمری آگیا اور یوں اس جامعہ کی شہرت کو چار چاند (حقیقی معنوں میں کہ مفتی فقیر اللہ جیسے فقیہ ومفتی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ایسے شیخ الحدیث۔ مولانا قاری لطف اللہ جیسے خطیب وقاری اور مولانا حبیب اللہ جیسے بے مثال منتظم اس میں موجود تھے) لگ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جامعہ رشیدیہ نے اپنے ابتدائی دور ہی میں اتنی ترقی اور شہرت حاصل کی کہ جس کی مثال کم ہی ملتی ہے مولانا حبیب اللہ اعلیٰ درجے کے منتظم، حضرت مولانا عبداللہ صاحب اونچے درجے کے محدث، صوفی اور متقی، مولانا قاری لطف اللہ صاحب بہت اچھے خطیب اور مقرر کہ میں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بعد ان سے زیادہ موثر خطیب اور اپنے ایک خاص لحن میں قرآن پاک پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ تینوں بھائی اپنے اپنے شعبے میں یکتا تھے اور تینوں ہی قرآن پاک اپنے ہی لہجے (ہر ایک کا لہجہ اپنا اور قدرتی تھا) میں قرآن پاک پڑھنے میں منفرد تھے اور لطف یہ کہ تینوں بھائیوں میں بے مثال محبت اور اپنائیت تھی اور تینوں پنجاب کے اکثر علاقوں میں تبلیغ وتذکیر کے لیے جاتے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ کا انداز زیادہ تذکیری اور الدین النصیحۃ کی مثال ہوتا۔ مولانا قاری لطف اللہ صاحب اپنے انداز کے بہت اونچے خطیب اور مولانا حبیب اللہ صاحب سیاسی، مذہبی اور اصلاحی ہر موضوع پر فی البدیہہ بولتے اور ہر سامنے آنیوالی چیز کو دیکھ کر اس سے اپنی تقریر کا عنوان لیکر آغاز کردیتے تھے ایک چیز جو تینوں بھائیوں میں مشترک تھی وہ اعتدال وتوازن اور غیبت سے پرہیز تھا۔ تینوں کے گھر میں سادگی، کھانے میں سادگی اور پہننے میں سادگی تھی۔ یہی

وجہ تھی کہ وہ سب لوگوں میں مقبول تھے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء والی چلی تو تینوں بھائی اور صدر مدرس علامہ غلام رسول و نائب مہتمم مولانا مقبول احمد گرفتار ہو گئے۔ مسجد کے علاوہ پورے جامعہ کی زمین حکومت نے ضبط کر لی۔ تنکا تنکا کر کے مولانا حبیب اللہ نے آشیانہ بنایا تھا اور بجلی نے آنا فانا جلا دیا۔ منیر انکوائری رپورٹ میں بطور خاص جامعہ رشیدیہ منٹگمری کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے مرید خاص، مولانا حبیب اللہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت اور مولانا قاری لطف اللہ صاحب علامہ شبیر احمد عثانی کے خصوصی شاگرد تھے۔

جامعہ رشیدیہ کے سالانہ اجلاس ایسے ہی شہرت رکھتے تھے جیسے کسی زمانے میں انجمن حمایت اسلام کے اور یہ طرز ناظم جامعہ رشیدیہ مولانا حبیب اللہ صاحب نے جو اپنے آپ کو ہمیشہ فاضل رشیدی لکھتے اپنے استاد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے سیکھا۔ خیر المدارس جالندھر میں شاید ہی برصغیر کا اپنے دور کا کوئی بڑا عالم ہو جو سالانہ جلسہ میں تشریف نہ لایا ہو اور پھر ملتان خیر المدارس میں پاکستان کا ایسے ہی جامعہ رشیدیہ پاکستان کے تمام چوٹی کے علماء مشائخ اور مقرر تشریف لاتے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب (م ۱۹۸۳ء) مہتمم دارالعلوم دیوبند صحت کی حالت میں جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو خیر المدارس جامعہ رشیدیہ ضرور قدم رنجہ فرماتے۔ جامعہ اشرفیہ تو آتے جاتے دو دو دفعہ قیام فرماتے بلکہ ایک دفعہ بذریعہ ٹرین انڈیا سے تشریف لائے تو لاہور اسٹیشن سے ٹیکسی میں بیٹھ کر بغیر اطلاع تشریف جامعہ اشرفیہ لے آئے میاں چنوں میں بودلہ حضرات کے ساتھ قدیمی تعلق تھا ان کے گاؤں سراواں بودلہ ضلع فیروز پور میں بھی کسی قریبی اسٹیشن یا اڈہ پر اتر کر پیدل تشریف لے آئے۔ میاں عطاء اللہ مرحوم (م ۱۹۶۵ء) نے جب روتی آنکھوں عرض کیا (ایسا ہی مولانا عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ نے) اطلاع ہوتی تو فرمایا کبھی کبھی ایسا بھی ہونا چاہیے کہ بغیر اطلاع از خود ہی آیا جائے اپنا گھر ہے ہاں صحت کی حالت میں میاں چنوں بھی تشریف لاتے جبکہ ایک دفعہ میاں بشیر احمد بودلہ مرحوم کے چک جراہی نزد میاں چنوں بھی قدم رنجہ فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج کے مشاہدات میں بطور خاص رشیدیہ رائے پور اور پھر جامعہ رشیدیہ کا اس لئے ذکر کیا کہ اس سلسلے کی جو یادداشتیں ذہن میں آتی گئیں لکھتا گیا۔ دوسری اس کی وجہ رائے پور گوجراں اور جامعہ رشیدیہ کا حضرات اکابر کے ساتھ جو ربط ضبط تھا وہ قلم بند کرنے کا داعیہ پیدا ہو گیا۔ ہمارے علاقے ضلع جالندھر اور اگر اس کے ساتھ لدھیانہ فیروز پور ملا لیا جائے اس میں ارائیں علماء کی اکثریت تھی۔ لیکن عجیب بات کہ گذشتہ صدی کے نصف اول میں تمام ارائیں علماء کے اساتذہ یہ گوجر حضرات تھے جو رائے پور میں مدرسہ قائم کئے ہوئے تھے اور جیسا کہ عرض کیا اس کا آغاز تحصیل مرکز نکودر سے ہوا پھر یہ مرکز رائے پور چلا گیا اور اس قصبے کا نام جس میں مدرسہ تھا رائے پور گوجراں پڑ گیا اور اس میں بھمیاں (ایک گاؤں) کے کفش دوز کا بیٹا دارالعلوم پڑھ کر آیا تو وہ پنجاب کا سب سے بڑا مفتی بنا میری مراد حضرت مفتی فقیر اللہ سے ہے اور پاکستان آ کر اسی خاندان نے جامعہ رشیدیہ کو متعارف کرایا اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے ابتدا ہی سے یہ بات چلی آ رہی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا تھا۔

فقال الملاء الذین کفروا ما نرٰک الا بشرا مثلنا وما نرٰک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای۔
(سورۃ ھود)

پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے ہم کو تو نظر نہیں آتا مگر ایک بشر ہم جیسا اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا ہو تیرا مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے تھے اور دنیا کے اعلیٰ اور چیدہ قبیلے قریش کے معزز ہو باشم سے تھے لیکن آپ پر ایمان لانیوالوں سے چند ہی بڑے لوگ تھے باقی ضعفاء اور مساکین تھے علامہ اقبال نے کیا ہے ۔

حسن ز بصرہ، بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

ہمارے علاقے میں گوجر قوم چھوٹی اور گوجرانوالے سے پرے ارائیں بلکی قوم اور اور گوجر بڑی سمجھی جاتی ہے اور پہاڑی علاقے میں تو گوجر قوم میں اتنے جید علماء گذرے ہیں کہ شمار کرنا ممکن نہیں بلکہ آسام سے لیکے پاکستان کے صوبہ سرحد تک ہمالیہ سطح مرتفع کے علاقے میں سب سے زیادہ یہی قوم مسلم اور غیر مسلم بستی ہے لیکن ہمارے علاقے میں گوجر قوم سے یہی رائے پور گوجراں کی بستی تھی جو مدرسہ کی چاردیواری پر مشتمل تھی جو شاید ڈیڑھ ایکڑ سے زائد نہ ہو لیکن یہ ذات پات کی باتیں سب یونہی ہیں اور دھری کی دھری رہ جائیں گی نسب کام نہ آئیگا اعمال کام آئیں گے قرآن پاک میں بہت واضح طور پر آیا ہے

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکروانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم
(سورۃ الحجرات رکوع ۲)

اے انسانوں کے گروہ! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور (پھر) ہم نے تمہیں شعوب اور قبائل میں تقسیم کر دیا (لیکن یاد رکھو کہ) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا کا خوف رکھنے والا ہے۔

یہ بہت دلچسپ داستان ہے کہ تاریخ اسلام نے بھی ان لوگوں کو تکریم اور عزت سے یاد رکھا ہے جو اللہ کے اطاعت شعار اور مخلوق خدا کی خدمت میں لگے ہے اور ذات پات کے دائرے میں رہنے والے چاہے اونچی ذات کے تھے انکو رفعت وعزت کا وہ مقام نہیں ملا اس سلسلے میں قرآن مجید کی ایک آیت اور پڑھ لیجئے

یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون ۔ (سورۃ منافقون)

کہتے ہیں جب ہم مدینہ کو واپس ہوئے تو زوروالا فرد اس مدینہ سے کمزور لوگوں کو نکال دیگا (یاد رکھو) زور تو اللہ ہی کیلئے ہے اور اس کے رسول کے اور مومنوں کیلئے اور لیکن منافقین (اس کو) نہیں جانتے۔

قصہ یہ ہے کہ ایک سفر میں ایک مہاجر اور انصاری لڑ پڑے اس پر ہر ایک نے اپنے اپنے حمایتیوں کو پکارا اس پر رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے کہا کہ واپس مدینہ چل لینے دو اور پھر وہ بات کہی جو قرآن مجید نے نقل کی اس کی مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے آپ کی زندگی میں پورے جزیرہ عرب پر چھا گئے اور آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد سوا ارب سے زائد ہے عبداللہ ابن ابی کو سوائے قرآن پاک کی آیات کے شان نزول کو بیان کرنے کے علاوہ کسی جگہ پتہ نہیں

چلتا اور آمنہ کے در یتیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا میں پانچ وقت دنیا کی ہر مسجد میں بلند آواز سے اللہ کے نام کے ساتھ شہادت کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جملہ معترضہ ابتداء ہی میں بہت طویل ہو گیا۔ جامعہ رشیدیہ کے صدر مبلغ مولانا قاری لطف اللہ شہید ختم نبوت کے ایک مقدمے کے سلسلے میں بورے والا سے وہاڑی جاتے ہوئے مولانا شیخ احمد بانی و مہتمم مدرسہ عربیہ بورے والا کے ساتھ ایک لاری کے حادثے میں شہید ہو گئے۔ اس جامعہ رشیدیہ میں حضرت مولانا محمد یوسف شہید لدھیانوی نے پڑھایا اور فقیر والی میں حضرت مولانا محمد عبداللہ اور حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہید سے انہوں نے پڑھا تھا۔ ''الرشید نے گذشتہ سال جولائی کا ایک ضخیم نمبر ان کی یاد میں نکالا اور اس ماہ نامہ ''بینات'' کا تقریباً دس صد صفحات پر ایک خصوصی نمبر ان شاء اللہ شائع ہو گا جس میں برصغیر کے علماء نے حضرت مولانا کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ دور قدیم و جدید میں ایسے بڑے علماء نے اس رشیدیہ سے تعلیم حاصل کی کہ جن کے ذکر کے بغیر برصغیر پاک و ہند کی اسلامی، سیاسی تاریخ نامکمل رہے گی ان کا نام برصغیر کے سربر آوردہ حضرات میں شمار ہوتا ہے۔

۱۹۵۶ء میں مولانا قاری لطف اللہ جب شہید ہوئے تو جامعہ رشیدیہ کے ایک تلمیذ اور خطابت میں حضرت قاری صاحب کے خصوصی شاگرد مولانا محمد ضیاء القاسمی جو خطابت کی بلندیوں پر پہنچ چکے تھے اور ان کی عمر اس وقت انیس برس کے لگ بھگ ہو گی۔ حضرت قاری صاحب شہید اور ان کے پورے خاندان کے ساتھ میرے خصوصی نیاز مندانہ تعلق کی بناء پر میاں چنوں میں مولوی محمد منیر کی دکان پر میرے سامنے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے کہ میں بچپن میں (قاسمی صاحب) اپنے عظیم والد جو بیک وقت بڑے شیخ، عالم، حکیم اور خطیب تھے کے سائے سے محروم ہو گیا اور اب جب کہ بڑا ہوں اور میں نے اپنی تعلیم کے دوران میں اور بعد میں حضرت قاری صاحب کو خطابت میں اپنا روحانی باپ بنا رکھا تھا وہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت قاری صاحب شہید کے اپنے انداز کے لاثانی خطیب تھے اور راقم ان کی شہادت پر اتنا رویا تھا کہ اپنی پوری زندگی میں دو تین اور رحلتوں پر اتنا رویا ہوں گا۔ یہ ہمارا مشترکہ درد تھا ...... اور اب ۲۹ دسمبر ۲۰۰۰ء مغرب کے بعد بورے والا سے برادر محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم جامعہ حنفیہ کا فون آیا کہ مولانا محمد ضیاء القاسمی آج چھ بجے فیصل آباد میں فوت ہو گئے کل ۳۰ دسمبر کو ۱۱ بجے نماز جنازہ ہے یہ سنکر مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا ۱۸ اکتوبر کی شب لاہور جامعہ المنظور میں ان کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی بڑی عمدہ اور شگفتہ تقریر کی۔ اس وقت کوئی بیماری کے آثار نہیں تھے موت طبعی تھی خبر یقیناً صحیح تھی اس کے باوجود حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ کو فون کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے بیٹے کا مجھے فون آیا ہے پھر جامعہ المنظور کیا تو مولانا سیف اللہ خالد کے بیٹے قاری اسد اللہ فاروق نے کہا کہ ہم نے لاہور کے اکثر علماء کو اطلاع کر دی ہے تم کو کئی دفعہ فون کیا لیکن رابطہ نہیں ہو سکا ان کے پاس جامعہ کے رجسٹر میں میرا فون نمبر غلط درج تھا مولانا سیف اللہ خالد کی ڈائری میں صحیح تھا اور وہ جامعہ سے باہر تھے۔ میں نے اپنا نمبر دوبارہ لکھوایا۔ برادر عزیز حافظ محمد اسلم سہیل کو بتایا وہ بھی لاعلم تھے مولانا سیف اللہ خالد اور مولانا حافظ محمد طیب دونوں رشیدی ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ دو بڑے اداروں کے مہتمم ہیں۔ سہیل صاحب۔ رشیدی اور اشرفی ہیں اور عمدہ کتب (عربی فارسی انگریزی) کے

بہت بڑے ناشرین نو بجے ٹیلی ویژن کی خبروں میں خبر نشر ہوئی ویسے اس خبر کے نشر ہونے سے قبل ہی فیکس ،فون وغیرہ سے پورے ملک میں مدارس اور خطیب حضرات کو اطلاع ہو گئی ہو گی کہ مولانا محمد ضیاء القاسمی ملک کے بہت بڑے خطیب ،سپاہ صحابہؓ کے سرپرست اور تین دفعہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر رہ چکے تھے اور ملک کا شاید ہی کوئی پڑھا لکھا اندرون ملک و بیرون ملک ان کے نام سے ناواقف ہو گا۔ سہیل صاحب سے طے ہوا کہ صبح کوچ سے فیصل آباد چلیں گے مولانا سیف اللہ خالد کو بار بار فون کیا لیکن وہ گیارہ بجے شب کے لگ بھگ جامعہ آئے اور خبر سے بے خبر تھے انہوں نے پھر راقم کو فون کیا کہ صبح اکٹھے چلیں گے میں نے اپنا پروگرام بتایا تو کہنے لگے کہ سہیل صاحب کو بھی ساتھ لے لیں گے۔ سہیل صاحب سکیاں ٹل کی طرف بند سے ادھر چوہان پارک میں رہتے ہیں اور فیصل آباد کو راستہ سکیاں پل سے جاتا ہے۔ طے یہ ہوا کہ راقم مکتبہ رشیدیہ کے باہر پونے سات بجے صبح پہنچ جائیگا ۔مولانا سیف اللہ خالد صاحب اور لاہور کے چند اور علماء کے ساتھ گاڑی میں وہاں پہنچ کر مجھے لیں گے اس کے بعد سہیل صاحب کو لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہم دس بارہ افراد گاڑی میں دس بجے فیصل آباد غلام محمد آباد مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم کی وسیع وعریض جامع مسجد کے سامنے پہنچ گئے وہاں پولیس کی اچھی خاصی نفری مع اعلیٰ حکام کے کھڑی تھی گاڑیوں کو ایک طرف پارک کرایا جا رہا تھا۔ ہم نے اتر کر مسجد میں وضو کیا اور مرحوم کے مکان کے پاس پہنچ گئے۔ مرحوم کا مکان ،جامع مسجد اور آپ کا قائم کردہ جامعہ قاسمیہ قریب قریب ہی ہیں اور وہیں ایک بہت بڑا پارک ہے اس میں نماز جنازہ کا پروگرام تھا۔ لمحہ بہ لمحہ نماز جنازہ میں شرکت کرنیوالوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور پورے ملک سے مدارس کے مہتمم خطیب اور معتقد حضرات کشاں کشاں چلے آرہے تھے مغربی جانب غالباً ایک سٹیج بنایا گیا تھا جس پر لاؤڈ سپیکر نصب تھا اور وہاں سے آنیوالوں کو ہدایات دی جارہی تھیں اور آنیوالے اہم حضرات کو آگے بلایا جا رہا تھا تقریباً ٹھیک گیارہ بجے خطیب اپنی آخری سواری پر آخری منزل پر جانے کیلئے آیا لیکن وہ خود بے حس و حرکت تھا اور گزوں طویل بانسوں کے ساتھ بندھی چارپائی وسیع پارک کے بالکل درمیان رکھدی گئی تاکہ عشاق اپنے محبوب خطیب کا آخری دفعہ رخ زیبا دیکھ سکیں۔ پارک کے باہر مکان کے قریب ان کے چھوٹے بھائی مولانا قاری عبدالحی عابد بیٹھے تھے اور لوگ ان سے تعزیت کر رہے تھے۔ ہم جب گئے تو مولانا کے بڑے بیٹے صاحبزادہ زاہد محمود قاسمی مکان کے دروازے پر کھڑے تھے اس وقت ہر شخص کی خواہش تھی کہ مکان کے اندر جا کر اپنے محبوب خطیب کی زیارت کرلے لیکن ایسا ممکن نہ تھا۔ زاہد صاحب ہم سب کے گلے لگ کر روئے اور وصال کے بعد ہی سے ان کا یہ حال تھا نڈھال تھے اہم مقرر و خطیب حضرات کو دعوت دی گئی کہ وہ دو دو تین تین منٹ مرحوم کو خراج عقیدت ادا کریں تقریباً پونے بارہ بجے میت سٹیج کی طرف لائی گئی اور مرحوم کے بیٹے مولانا زاہد محمود کو ان کا جانشین قرار دیکر ان کی دستار بندی کی گئی سٹیج پر موجود مشائخ ،خطباء ،اور مدارس کے مہتمم حضرات نے روتی آنکھوں یہ فریضہ سرانجام دیا۔ راقم جس جگہ کھڑا تھا وہاں میرے سامنے ایک صاحب عمر تقریباً ساٹھ سال کھڑے تھے سٹیج سے اعلان ہو رہا تھا کہ تمام حضرات کچھ دیر کیلئے بیٹھ جائیں لیکن وہ صاحب کھڑے رہے معلوم ہو کہ وہ بیٹھ نہیں سکتے۔ میں ان کی ہمت اور استقامت پر حیران تھا کہ وہ تقریباً پون گھنٹہ مسلسل ایک جگہ ساکن کھڑے رہے تاآنکہ نماز جنازہ کا اعلان ہوا کہ حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ نماز جنازہ پڑھائیں گے اور تقریباً بارہ بجے شاہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اس پورے عرصے کے درمیان مختلف لوگوں کی آہیں اور سسکیاں سنی گئیں اور بعض کا تو رونے

رو تے برا حال تھا جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مکان، مسجد اور جامعہ کے ساتھ ایک وسیع پارک تھا اس میں چونا ڈال کر قریب قریب لکیریں لگا دی گئی تھیں کہ سجدہ تو کرنا نہیں ہے زیادہ سے زیادہ افراد کیلئے گنجائش نکل سکے۔ پوری گراونڈ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں پانچ چھ جو بڑے جنازے دیکھے ہیں ان میں سے یہ ایک تھا۔ نماز کے بعد تقریباً ایک بجے نعش قبر میں اتاری گئی اس وقت بھی بلاشبہ ہزاروں لوگ جامعہ میں موجود تھے جیسا کہ عرض کیا جہاں سے مدارس کے مہتمم، خطیب اور مقرر اور عشاق آ سکتے تھے وہ جنازہ سے قبل پہنچ گئے اگر مدارس میں چھٹیاں نہ ہوتیں تو یہ تعداد اور زیادہ ہوتی۔

اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لیکر

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا قاری عبدالحی عابد دونوں نے بڑے خطیب کی حیثیت سے ملک میں کتاب وسنت کی اشاعت اور توحید وسنت کے متعلق بہت کام کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں ہی اپنی اپنی طرز کے موجد ہیں ان کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم جید عالم، شیخ اور طبیب حاذق تھے اور ریاست مالیر کوٹلہ کے مہاراجہ کے طبیب تھے۔ انہوں نے رئیس المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۹۲۹ء) سے مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھا اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مشہور پنجابی واعظ مولانا مفتی عبدالحمید لدھیانوی کے دادا حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔ مولانا عبدالحمید مرحوم (م ۱۹۸۶) بہت بڑے پنجابی خطیب تھے لیکن افسوس کہ میں نے ان کی ایک تقریر کا جامعہ رشیدیہ کے سالانہ جلسے کے آخری اجلاس میں وعظ کا یہ فقرہ سنا خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا

اک گنجا نائی دے کول گیا اور پچھیا کہ حجامت بنوائی آں کی لویں گا۔ نائی کہن لگا کہ چار آنے، تے گنجے نے آکھیا دو جے لوگاں کولوں توں دو آنے لیناں آں تے میرے کولوں چار آنے کیوں۔ نائی کہن لگا کہ دو آنے بال لبھن دے تے پھیر دو آنے انہاں نوں منڈن دے۔

(ترجمہ) کہ ایک گنجا ایک حجام کے پاس گیا اور کہا کہ حجامت بنوانا ہے پوچھا کیا اجرت لوگے وہ کہنے لگا کہ چار آنے۔ گنجے نے کہا کہ دوسرے لوگوں سے دو آنے لیتا ہے مجھ سے چار آنے کیوں تو حجام نے کہا کہ دو آنے بال تلاش کرنے اور اس کے بعد دو آنے مونڈنے کے .... مولانا نے اس کے بعد پنجابی ہی میں کہا جسکا مفہوم یہ تھا کہ تین دن سے جلسہ ہو رہا ہے، بیسیوں مقرر حضرات کی آپ نے تقریریں سنی ہوں گی انہوں نے تقریباً ہر موضوع وعنوان پر تقریر کر دی گی اب میرے لیے حجام والا مسئلہ درپیش ہے کہ موضوع بھی تلاش کرنا ہے اور پھر کچھ نئی باتیں آپ سے کرنا ہیں ...... میں سنتا آ رہا تھا کہ مفتی عبدالحمید صاحب بہت عمدہ پنجابی واعظ ہیں لیکن سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اب اندازہ تو ناظم صاحب کے اعلان کرنے سے ہو گیا تھا کہ ادھر ادھر منتشر لوگ فوراً جمع ہو گئے تھے لہذا مجھے بھی اشتیاق ہوا کہ آج تقریر سن لی جائے ...... تو مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم کے والد مرحوم ان کے دادا سے

بیعت اور مجاز تھے۔ اور کنگروڑ کے تھے موضع کنگروڑ تحصیل نواں شہر کے مشہور قصبوں بنگہ اور راہوں کے قریب تھا چودھری عبدالرحمن (مولانا امین احسن اصلاحی کے خسر) ایم ایل اے متحدہ پنجاب راہوں کے تھے اور احرار کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے اس علاقے اور ہوشیار پور میں خاصے گوجر تھے قاسمی برادران کا تعلق بھی گوجر برادری سے تھا ضلع جالندھر کے رہائشی تھے۔ قیام پاکستان پر مشرقی پنجاب سے لوگوں نے شہر دیہات خالی کئے اور کیمپوں میں مقیم ہوئے یہ خاندان یا اس گاؤں کے لوگ بہرام نزد پھگواڑہ کے کیمپ میں تھے، مولانا عبدالرحیم کا کیمپ میں انتقال ہوگیا۔ ان دنوں مولانا محمد ضیاء القاسمی کی عمر ۱۰ سال اور مولانا عبدالحی عابد کی سات سال تھی اور یوں غربت اور مہاجرت میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا

غربت جن کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ یتیم بچوں میں استعداد اور صلاحیت ہو تو ان کو احساس ہوتا ہے کہ اب والد کا سایہ تو سر پر نہیں ہے خود ہی محنت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے اور ایسے بچے غربت اور افلاس کے باوجود بڑے ہو کر نام کماتے اور

میراث پدر خواہی بازوئے پدر آور... اگر باپ کی میراث چاہتا ہے تو ویسا بن

کا مصداق بنتے ہیں اور بعض بچوں کے والد کروڑوں سرمایہ اور بے شمار جائیداد چھوڑ جاتے ہیں تو ان کو پر لگ جاتے ہیں اور چاپلوسی خوشامدی دوستوں کے نرغے میں آ کر بہت جلد والدین یا خاندان کے لئے ننگ و عار کا باعث بنتے ہیں۔ مولانا محمد ضیاء القاسمی اور مولانا عبدالحی عابد پہلے گروہ سے تھے۔ والدہ صالح عابدہ خاتون تھیں انہوں نے ان کی تربیت کی اور میراث پدر کا احساس دلایا کہ اور ان ہونہار بچوں نے دین کی تعلیم حاصل کی اور پھر پورے ملک ہی نہیں بیرون ملک بھی نامور ہوئے۔ جو جو واقعہ یاد آتا جائیگا لکھتا جاؤنگا۔ لندن ساؤتھ ہال کی ایک بڑی مسجد میں جلسہ تھا جہاں ہمارے ایک بزرگ دوست مولانا سید فضل الرحمٰن جگرانوی مرحوم کے بڑے بیٹے مولانا اسد اللہ طارق خطیب تھے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنوان تھا راقم کو غالباً صدر بنا دیا گیا اور میں نے ابتدا ہی میں اپنی معروضات پیش کر دیں اس کے بعد مولانا قاری عبدالحی عابد کی تقریر تھی انہوں نے تقریر کی اور تقریر کے آخر میں کہا کہ یہ جلسہ سیرۃ النبی ﷺ کا ہے اور داڑھی رکھنا حضور ﷺ کی محبت کی نشانی ہے اگر آپ سیرت پر جلسہ کراتے ہیں اور سنتے ہیں تو پھر شکل صورت میں بھی آپ ﷺ کی اتباع کرنا چاہیے اور کہا کہ میں اس جلسہ میں دس حضرات سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ وہ آج کے بعد داڑھی نہیں منڈوائیں گے سامعین تقریباً سو کے لگ بھگ ہوں گے تیس پینتیس تو پہلے ہی متشرع تھے اور باقی حضرات میں سے لوگوں نے اقرار کرنا تھا ایک کھڑا ہوا ماشاء اللہ سبحان اللہ کہا گیا پھر دوسرا تیسرا جوان کھڑا ہو گیا اور پھر کچھ توقف ہوا تو مولانا قاری عابد نے کہا کہ بس اتنی ہی محبت ہے اور پھر دس منٹوں میں یہ تعداد سات تک پہنچ گئی میرا خیال تھا کہ قاری صاحب شاید اب دعا مانگیں گے اور کہیں گے کہ یہ مرا قرضہ رہا پھر وصول کرونگا اور اندازہ یہی تھا لیکن اچانک ایک شخص اور اٹھ کھڑا ہوا اور وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ میں بھی آئندہ داڑھی منڈانا ترک کر دونگا اب قاری صاحب پھر تازہ دم ہوئے اور کہا کہ بھئی اب تو دو کی کسر رہ گئی وہ بھی پوری ہو جائے اور الحمدللہ یہ بھی پوری ہو گئی۔ داڑھی رکھنا رکھانا بڑا مشکل کام ہے لیکن میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب قاری صاحب کی موثر تقریر

نے اپنا یہ ہدف آسانی سے پورا کر لیا قاری صاحب ذکر اذکار اور تصوف کی لائن سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ایسی باتیں بھی کرتے ہیں۔
ویسے اپنے کئی بزرگوں کو دیکھا ہے کہ ان کی صحبت کیمیا اثر سے لوگ از خود ہی متشرع اور پابند صوم وصلوٰۃ ہو جاتے ہیں جیسا کہ مضمون کے شروع میں بیعت کے سلسلے میں لکھا ہے لوگ جب کسی سے بیعت ہوتے ہیں تو ان کی قوت ارادی بیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے اور بہت جلد ان میں خاطر خواہ تبدیلی آ جاتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حقوق العباد پر بھی بہت زور دیتے تھے اگر کوئی ایسا شخص مرید ہوتا تھا جو کسی ایسے محکمے سے ملازم رہا ہو کہ جہاں رشوت کا چلن عام ہو تو حضرت اس سے کہتے تھے کہ سب سے بڑی اصلاح یہ ہے کہ توبہ کر کے ایسے گناہ تو اللہ سے معاف کرا لئے جائیں جنکا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ قضا روزوں اور نمازکی ادائیگی شروع کر دی جائے اور اگر کسی کا حق مارا ہے تو اس کو معاف کرا لیا جائے یا ادا کیا جائے اور اس پر بہت سختی کرتے تھے۔ ہمارے علاقے میں ایک گاؤں شمائل پور تھا وہاں کے ایک پٹواری نے بیعت ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تو فرمایا کہ جن لوگوں سے رشوت لی ہے وہ واپس کرنا پڑے گی چاہے اپنی کچھ جائیداد ہی کیوں نہ بیچنا پڑے چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ میں ایک بات مزید عرض کرتا چلوں کہ انگریز کے زمانے میں تمام صوبوں میں یہ پوچھا گیا تھا کہ آیا وراثت کی تقسیم مذہب کے مطابق کراؤ گے پنجاب میں رواج یہ تھا کہ بہنوں کو، بیٹیوں کو ترکہ سے حصہ نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ یہی قانون منظور ہو گیا ہاں اگر کوئی دینا چاہے تو وہ دے سکتا تھا پابند نہیں کیا گیا تھا کہ نہ دے۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کو بتایا گیا کہ پنجاب میں ایک پیر ہے جو داڑھی منڈوں کو پہلی صف میں کھڑا نہیں ہونے دیتا فرمایا وہ ظالم ہے اور شہرت کا طالب ہے شریعت میں اس کی کہیں پابندی نہیں ہاں یہ ہے کہ بچوں کو بالغ مردوں کی صف میں نہ کھڑا کیا جائے اور بچوں کے پیچھے عورتوں کی صف بنائی جائے اور اس کے بعد سوال کیا کہ پنجاب میں جو لوگ اپنی بہنوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے اور قرآن مجید کی صریح خلاف ورزی کرتے ہیں یہ پیر صاحب ان کو کس صف میں کھڑا کرتے ہیں مزید فرمایا ہر بات کی اپنی جگہ اہمیت ہے لیکن شریعت کے احکام پر عمل کرنا چاہیے ...... قاری عبدالحئی صاحب کی بات کہ انہوں نے ایک مجمع میں یہ کام کر کے مجھے خوشگوار حیرات میں ڈال دیا اس طرح سیکڑوں اور ہزاروں حضرات سے وعدہ لیا ہوگا۔ اور ویسے اب تو برطانیہ میں تبلیغی جماعت کے کام سے ان گنت حضرات متشرع ہو چکے اور اپنی نمازوں کی درستی کر چکے اور کرا رہے ہیں۔ راقم میاں چنوں میں تبلیغی جلسے کرایا کرتا تھا۔ حضرت مولانا محمد اجمل خاں صاحب مدظلہ کو ایک جلسے میں بلایا تو انہوں نے اپنی تقریر میں نماز پڑھنے اور پابندی سے پڑھنے کا سامعین سے وعدہ لیا تھا میرا خیال ہے کہ بیسیوں لوگوں نے وعدہ کیا اور پھر اس کو نبھایا ان میں سے ایک مرحوم دوست چودھری محمد علی چک نمبر ۱۳۰ والے یاد ہیں جو میاں چنوں میں فٹ بال میچوں کے ریفری ہوا کرتے تھے انہوں نے بھی وعدہ کیا تھا اور پھر تا عمر نہ صرف نبھایا بلکہ اور لوگوں کو بھی نماز کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ملک میں بنیادی کام کرنیکا یہ ہے کہ لوگوں کے عقائد درست کئے جائیں اور تعمیر سیرت واصلاح معاشرہ کا کام کیا جائے۔ جدال وقتال۔ مناظرہ بازی اور ایک دوسرے فرقے کے متعلق طعن وتشنیع سے کام لیا جائے تو ضد پیدا ہوتی ہے۔ قرآن پاک کا یہ حکم اپنے اندر کتنا اثر وحکمت رکھتا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط — اپنے رب کی راہ کی باتیں سمجھا اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔

اور دوسری آیت میں مزید اور تبلیغی انداز اختیار کر کے اس کے نتیجے کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ — اور برابر نہیں نیکی اور بدی جواب میں وہ کہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوستدار ہے قرابت والا اور یہ بات ملتی ہے انہی کو جو سہار رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اسی کو جس کی بڑی قسمت ہے۔

حم السجدۃ ۳۴،۳۵

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیر عثمانی میں ان دونوں آیتوں پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔

۱ ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے، اس کی تعلیم دیتے ہیں یعنی خوب سمجھ لو نیکی بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے۔ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مومن قانت اور خصوصاً ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہئے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب وشائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں تم دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائیگا۔ اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئیگا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی وعداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔ کما قال "عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ" (سورۃ ممتحنہ۔ رکوع ۲) ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہرحال دعوۃ الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر واستقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔

۲ یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہئے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبالمندوں کو ملتی ہے۔ (ربط) یہاں تک اس حریف اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنا سکھلایا تھا جو حسن معاملہ اور خوش اخلاقی سے متاثر ہو سکتا ہو لیکن ایک دشمن وہ ہے جو کسی حال اور کسی نہج سے دشمنی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کتنی ہی خوشامد یا نرمی برتو، اس کا نصب العین یہ ہے کہ تم کو ہر طرح نقصان پہنچائے ایسے پکے شیطان سے محفوظ رہنے کی تدبیر آگے تلقین فرمائی ہے۔

اگر ہماری دینی جماعتیں یا سیاسی ، دینی جماعتیں اس پر عمل کرتیں تو ۵۳ سال میں اتنا بڑا دینی انقلاب آچکا ہوتا کہ آج اسلامی نظام کے نافذ کرنے کے مطالبے نہ کرنا پڑتے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم نے دینی علوم مختلف جگہوں سے حاصل کی ان میں سے نمایاں نام جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور قاسم العلوم ملتان کا ہے ۔ دونوں جگہ کے اساتذہ میں توازن اور اعتدال تھا سند فراغت قاسم العلوم سے لی جہاں حضرت مفتی محمود م ۱۹۸۰ شیخ الحدیث تھے اور پھر دورۂ تفسیر قرآن دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی حضرت مولانا غلام اللہ خاں م سے پڑھا ۔ مولانا قاری لطف اللہ تنظیم اہل سنت سے منسلک تھے یہاں سے صحابہ کرامؓ کی عظمت وعزیمت کا درس لیا ، اور راولپنڈی شیخ القرآن سے توحید کا سبق ملا اور یوں ایک طرح مرج البحرین بن گئے ۔

والد مرحوم خطیب وشیخ تھے ورثہ میں خطابت ملی اور مولانا قاری لطف اللہ اور مولانا غلام اللہ خاں اور مفتی محمود ، مولانا غلام غوث ۔ مولانا سید نورالحسن بخاری مولانا دوست محمد قریشی اور سردار احمد خاں بانی تنظیم اہل سنت رحمہم اللہ اجمعین سے خطابت کو جلا ملی اور اپنے تعلیمی دور ہی سے تقریر میں مشاق ہو گئے تھے ۔ پچپن چھپن عیسوی میں جبکہ ان کی عمر ۱۸ ۔ ۱۹ سال تھی ۔ راقم نے ان سے ایک ہفتہ میاں چنوں کے نواح میں دیہات کیلئے لیا ۔ ان دنوں مقبول عام خطیب تھے ۔ توحید وسنت ، رد بدعت ورفض آپ کے پسندیدہ موضوع تھے اور اس کے ساتھ تحفظ ختم نبوت بھی محبوب موضوع تھا گویا اکابر دیوبند کا مسلک ومشرب ان کا مسلک ومشرب تھا غالباً ۱۹۵۳ء میں انڈیا گئے اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین مدنیؒ کے بیعت ہو گئے ان ساری نسبتوں سے طبیعت سے مداہنت ختم ہو گئی جرأت وشجاعت اور حق وصداقت ساری عمر شعار رہا ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گذشتہ صدی کا نصف اول بہت بلند پایہ خطیبوں کا تھا ان کا ثانی اور مثیل تو دنیا پتہ نہیں کب دیکھے کہ وہ قومی اور ملی خطیب تھے اور عبقری انسان تھے ان کی مخالفت وموافقت کے باوجود آج برصغیر کا ہر کہ ومہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور ملک کا میڈیا یا پریس ہی نہیں بین الاقوامی طور پر ان کی صفات وحالات کا تذکرہ اور ان کے کام پر لوگ پی ایچ ڈی کر رہے اور ایم ۔ اے کا خصوصی مضمون (تھیسز) لکھتے ہیں ۔ بیسیوں تو اس ناکارہ وآوارہ سے ذاتی طور سے ملکر ان پر شائع شدہ کتب کا پتہ کرتے رہتے ہیں ۔ تاریخ میں ان کی عظمت ثبت ہے اور رہے گی ان کا زیادہ مطمح نظر حق وصداقت اور کتاب وسنت کی ازلی وابدی حیثیت کے ساتھ ہندوستان کی آزادی تھی تقریباً پورا ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک برطانوی وفرانسیسی استعمار کے پنجہ استبداد میں تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کی دولت اور افرادی قوت سے یہ لوگ ایشیا اور افریقہ کے دوسرے ممالک پر قابض ہیں ۔ ہندوستان جو کبھی سونے کی چڑیا کہلاتا تھا اس کا خون نچوڑ کر انہوں نے اپنے ملک سنوارے اور سجائے اور افرادی قوت کو پندرہ پندرہ بیس بیس روپے میں بھرتی کر کے اسلامی مراکز میں گولیاں چلوائیں ۔ جن زعماء کرام کا اوپر اجمالاً ذکر ہے انہوں نے سختیاں برداشت کیں ، مصائب کا تحمل کیا ، برسا برس جیلوں میں رہے لیکن اف تک نہ کی اور استقلال واستقامت کے پہاڑ بنکر فرنگی راج کو دیس نکالا دیا اللہ ان کی قبور کو نور سے

بھرے وہ بہت اونچے لوگ تھے لیکن پاکستان بننے اور ہندوستان آزاد ہونے کے بعد وہ طلسماتی شخصیات بڑھاپے کی عمر میں داخل ہو گئیں اور ان کی جگہ نئے لوگوں نے پڑ کی جوان کی طرح عبقری اور ہمہ جہت تو نہ تھے لیکن ان کی اکثریت میں توحید وسنت اور حب صحابہؓ کا جذبہ فزوں تر تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے لوگ اس جذبے سے سرشار نہیں تھے سرشار تھے اور انہی کی قائم کردہ شاہراہوں پر نئے مقرر وخطیب چلے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کا نام لیکر نئے مقرر وخطیب اپنی تقریروں میں جلا پیدا کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں۔ آغا شورش مرحوم کہا کرتے تھے کہ جس مقرر کی تقریر جم نہ سکے تو وہ حضرت حسینؓ اور کربلا کا ذکر کرنے لگتا ہے۔

تقابل مقصود نہیں گذشتہ صدی کے نصف اول کے خطباء وزعماء کی تقریروں اور تحریروں کے جملے اور معارف ونکات آج کے اکثر خطیب اور واعظ اپنی تقریر کو موثر بنانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ آغا شورش کاشمیری جیسا نامور خطیب کہ جس نے مولانا ابوالکلام آزاد مولانا ظفر علی خان اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے بھرپور استفادہ کیا اور ان حضرات نے آغا شورش کی خطابت کا اعتراف کیا بلکہ ظفر علی خاں نے تو ایک شعر کہکر آغا شورش کی حیثیت مسلمہ کر دی ؎

شورش سے میرا رشتہ ہے اور وہ ازلی ہے
میں وقت کا رستم ہوں وہ ہے ثانیء سہراب

آغا شورش اپنی تقریر کو مولانا آزاد کی تحریروں اور تقریروں کے جملوں اور فقروں سے سجایا کرتے تھے بلکہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کے آغاز میں ابوالکلام کو حفظ کیا ہوا تھا۔ میں نے انہی آغا کو اپنی مختلف تقریروں میں بخاری کے متعلق عجیب وغریب انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سنا۔ موچی دروازے میں ایک بہت بڑا جلسہ تھا اس میں بخاری کی یاد آگئی تو گلوگیر لہجے میں کہا عطاء اللہ شاہ بخاری توں کتھے یاد آگیوں اج تیری بڑی لوڑ سی شاہ صاحب آپ کہاں یاد آگئے آج آپ کی بہت ضرورت تھی اور کبھی تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے

پکار وادیٔ خاموش سے خدا کیلئے
ترس گئے تری آواز دلکشا کیلئے

ان بہت بڑے خطباء کی پیری اور ان کے خوشہ چین لیکن بڑے خطباء کی موجودگی میں مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم کی خطابت کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں ان کا شہرہ ہو گیا اور مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا سید نورالحسن بخاریؒ، مولانا غلام اللہ خانؒ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہؒ کے ساتھ سٹیج پر آنے لگے۔

اور ان حضرات نے آپ کی خدمات کو سراہا۔ مولانا نے پڑھائی کے دوران ہی خطابت کا آغاز کر دیا تھا اور یہ وہبی ملکہ ہے مشق سے مقرر تو بنا جا سکتا ہے لیکن خطیب نہیں بنا جا سکتا۔ جیسا کہ راقم نے لکھا کہ ۵۷۔۱۹۵۶ میں مرحوم، مولانا قاری لطف اللہ صاحب کی شہادت پر میاں چنوں بچوں کی طرح رو رہے تھے اور ظاہر ہے کہ میں نے ان کو کسی تقریر ہی کے سلسلے میں بلایا ہوگا کہ مجھے تبلیغی جلسے کرانے کا شوق تھا۔ ۱۹۵۰ء میں جبکہ میری عمر ۱۸ سال تھی میں نے میاں چنوں میں مجلس احرار اسلام کے تمام سرکردہ زعماء کو بلا

کر کانفرنس کرائی تھی اور تا قیام میاں چنوں ۱۹۶۶ء تک تبلیغی جلسے کراتا رہا بلکہ لاہور آ کر بھی میاں چنوں جا کر میں نے جائزہ حسن قرأت کے دو جلسے کرائے۔

مولانا مرحوم کی خطابت کا انداز نیا تھا لیکن وہ انداز ایسا تھا کہ اس کو اپنایا جا سکتا تھا اور بلاشبہ پچاسوں خطباء نے ان کا نہ صرف انداز اپنایا بلکہ لباس، ٹوپی وغیرہ میں بھی ان کی پیروی کی۔ سات آٹھ حضرات کو تو میں جانتا پہچانتا ہوں کہ جنہوں نے جوتے سے لیکر ٹوپی تک اور پھر ٹوپی کے رنگ کو بھی اپنایا یہ بڑا اعزاز ہے جو مرحوم کو جاتا ہے کہ انہوں نے علماء کی نئی نسل کو خطابت سکھلائی تاہم ان میں مالوی مدن کی سی بات پیدا نہ ہو سکی میں چونکہ اس نسل سے تعلق رکھتا ہوں کہ جس نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریریں قیام پاکستان سے قبل سنیں بلکہ میں تحدیث نعمت کے طور پر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے بچپن میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن اور امیر شریعت کی تقریر اپنے گاؤں سے دو میل دور مختشم پور میں سنی میری عمر اس وقت چھ سات برس کی ہو گی تو قارئین اور ناظرین یہ بجا طور پر سوال کریں گے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا طرز کسی نے اپنایا یا کسی نے اس کے قریب قریب تقریر کی تو میں عرض کرونگا کہ امیر شریعت کی خطابت کا انداز ایسا تھا کہ اس کو اپنایا ہی نہ جا سکتا تھا۔ جس کی تقریر و خطابت کو سنکر نواب بہادر یار جنگ جیسا یگانہ خطیب یہ کہے کہ اگر بخاری مجھے ایک ماہ دیدیں تو میں ایک ماہ میں تحریک پاکستان کو ہندوستان کے کونہ کونہ میں پہنچا دوں اور مولانا امین احسن اصلاحی جیسا عالم اور مفسر کہے کہ شاہ صاحب کی تقریر سننے کیلئے ہمیں دو دو تین تین گھنٹے جاہل و مجہول اور بیوقوف لوگوں کی تقریریں سننا پڑتی تھیں! اشتیاق کا یہ عالم ہوتا کہ اتنا پہلے جا کر بیٹھ جاتے گویا وہی بات تھی جو غالب نے کہی۔

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

البتہ پاک و ہند کے دوسرے تمام خطباء کی بیشتر لوگوں کی نقل اتارتے ہوئے دیکھا ہے قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اپنے انداز کے بے مثل خطیب تھے کہ آغا شورش نے ان کو خراج عقیدت ادا کیا اور چودھری افضل حق مرحوم نے تعریف کی ہے لیکن میاں چنوں کے ایک جلسے میں ایک صاحب (جو اب بھی زندہ ہیں) قاضی احسان احمد صاحب کے انداز میں تقریر کر رہے تھے۔ میاں چنوں کی جامع مسجد کے قبل از قیام پاکستان خطیب اور مہاجر حضرات کی آبادکاری میں حصہ لینے والی معروف شخصیت مولانا ہدایت اللہ مرحوم جلسوں میں کم ہی آتے تھے لیکن مجھے زبردست حیرت ہوئی کہ وہ سٹیج پر آ کر بیٹھ گئے اور بعد میں مقرر سے گلے ملے (یاد رہے کہ مولانا ہدایت اللہ مرحوم قیام پاکستان سے قبل ہر سال میاں چنوں میں جلسہ کراتے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سمیت (کہ ان کے مرید تھے) تمام زعمائے احرار کو بلاتے اور خود بھی احراری تھے احرار کے زعماء کے ساتھ تقریریں کرتے تھے) اور گلے ملتے ہوئے کہا کہ میں سڑک پر جا رہا تھا کہ مجھے قاضی احسان احمد صاحب کی تقریر کی آواز آئی اور میں نے کہا کہ دیر ہوئی ملاقات نہیں ہوئی اور نہ تقریر سنی۔ دونوں کام ہو جائیں گے لیکن مولانا آپ نے تو کمال کر دیا کہ میں بھی دھوکہ کھا گیا حالانکہ قاضی صاحب کے ساتھ برسہا برس میں نے کام کیا ہے بلکہ قادیاں کے مشہور جلسہ عام میں ایک مشہور ریزولیشن کی مخالفت کی تھی جس کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں۔

اس دور میں اور بھی کئی ایک خطیبوں کی شہرت ہوئی اور بلاشبہ وہ بھی اپنی جگہ ممتاز تھے لیکن جو شہرت مولانا محمد ضیاء القاسمی کے حصے میں آئی وہ امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے علاوہ ذاتی طور پر بہت سی خوبیوں کے مالک تھے کشادہ دست اور دل کے غنی تھے گھر میں ان کو جو ملنے جاتا اس کی مشروبات سے لیکر فواکہات اور طعام قیام کی ضرورت کا خیال رکھتے اور کہا کرتے کہ یہ بھی میرے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہے اور اس پر حضرت خدیجہؓ کا آپ کو پہلی وحی کے بعد گھبراہٹ کے وقت تسلی دینا اور اس پر چند جملوں میں آپ کی تعریف کر کے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریگا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی اور آخری کتاب کے نزول پر آپ ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اور کائنات ایسی کہ جس کی کوئی انتہاء نہیں اور جس کی قدرت کی معرفت رکھنے والے ہر وقت تھر تھر کانپتے اور اس کی پناہ میں رہنے کی ہر وقت درخواست کرتے رہتے میں جس نے خود اپنے آخری کلام قرآن مجید کے متعلق فرمایا

لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته — اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو دیکھتا

خاشعا متصدعا من خشية الله (سورة الحشر) — کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا

یہ نبی کریم ﷺ کا قلب مبارک تھا کہ اس کا تحمل کر گیا۔ آپ ﷺ نبی معبوث کر دیئے گئے اور تبلیغ رسالت اور وحی کی اشاعت میں لگے رہنے کے باوجود جب بھی وحی نازل ہوتی تو آپ کو پسینہ آجاتا اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ بوجھ برداشت نہ کرسکتی اور بیٹھ جاتی۔ ایک صحابی کی ران پر سر رکھے آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے کہ وحی نازل ہوئی اور ان صحابی کو ایسا احساس ہوا کہ ران ٹوٹتی جاری ہے ان حالات میں پہلی وحی آنے پر آپ ﷺ کا گھبرانا فطری امر تھا۔ آپ ﷺ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ (اپنی بیوی) کو فرمایا زملونی زملونی۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے جو انتہائی ذہین زیرک خاتون تھی فوراً سمجھ گئیں کہ کوئی غیر معمولی بات ہے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ لیٹ گئے اور انہوں نے کمبل اوڑھا دیا۔ سکون ہونے پر آپ ﷺ اٹھے اور صورت حال بیان کی۔ ہمارے اساتذہ نے جب ہمیں یہ حدیث پڑھائی تو فرمایا کہ خدیجہؓ بہت سمجھدار تھیں غیر معمولی پریشانی کو بھانپ گئیں اور کوئی سوال نہیں کیا کہ وہ جانتی اور سمجھتی تھیں کہ شوہر کے حکم کی فوراً تعمیل کرنا چاہیے پھر اٹھنے پر آپ نے فرمایا۔ طویل حدیث سے متعلقہ حصہ پڑھیے:۔

قال لخديجة ای خديجة مالی لقد خشيت علی نفسی فاخبرها الخبر قالت خديجة كلا ابشر فوالله لا يخزيک الله ابدا فوالله انک لتصل الرحم وتصدق الحديث وتحمل الكلّ وتكسب المعدوم وتقری الضيف وتعين علی نوائب الحق الخ

(جب آپ کا ڈر جاتا رہا) تو آپ ﷺ نے فرمایا خدیجہؓ میں نہیں جانتا مجھ کو کیا ہو گیا ہے مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہے اور سارا قصہ بیان کیا (جو غار حرا میں گذرا تھا) حضرت خدیجہ نے کہا ڈریئے نہیں ہرگز ہرگز آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ خوش ہو جائیے میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں اللہ آپ کو کبھی خراب نہیں کرے گا

(بخاری جلد دوم کتاب التفسیر)

خدا کی قسم آپ تو ناتے والوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں ہمیشہ سچ
بولا کرتے دوسرے کا بوجھ (قرضہ وغیرہ) اپنے ذمہ لے لیتے ہیں
جو کسی کے پاس نہ ہو وہ اس کو دلواتے ہیں بھوکے کو کھانا کھلائے
ننگے کو کپڑا) اور مہمان کی ضیافت کرتے ہیں معاملات اور
مقدمات میں حق کی پاسداری کرتے ہیں (اور پھر اپنے چچا ورقہ
بن نوفل کے پاس لے گئیں جو پہلی کتابوں کو پڑھتے لکھتے تھے)

احقر راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ کو آپ کی یہ پہلی گھبراہٹ اتنی پسند آئی کہ آپ کے الفاظ زملونی زملونی کی نسبت سے آپ کو یاایہا المزمل کہکر (اے کپڑا اوڑھنے والے) سورۃ مزمل اتاری اور آپ کا اللہ تعالیٰ نے مزمل نام یا لقب مقرر کر دیا سبحان اللہ..... تو قاسمی مرحوم حضرت خدیجہؓ کے اس بیان کو بڑے مزے لیکر بیان کیا کرتے اور مختصراً فرماتے میرے نبی ﷺ ڈیرے دار تھے اور ایسے ڈیرے دار کہ جو کچھ دن میں آتا رات آنے سے پہلے پہلے خرچ کر ڈالتے۔ حضرات شیخین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اسی سنت کے پیروکار تھے۔ تو قاسمی صاحب کشادہ رُو کشادہ دست اور کشادہ دست تھے۔ اس کی کئی مثالیں سامنے ہیں لیکن مضمون طویل تر ہو جائیگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک بات یہ تھی کہ صاف ستھرا عمدہ لباس پہنتے اور کہتے کہ میرا مزاج یہ ہے کہ علماء کو ایسی حالت میں رہنا چاہیے کہ عام لوگ ان کو دیکھ کر متاثر ہوں اور فقیر یا محتاج نہ سمجھیں کہ زکوۃ یا خیرات کا مستحق ہے اور ترس کھا کر خیرات یا ایسا ہی مال دینے لگیں۔ ایک دفعہ برطانیہ میں احقر ان کو ان کی قیامگاہ پر ملنے گیا تو دیکھتے ہی کہا کہ ارشد گذشتہ سال اور گذشتہ سے پیوستہ سال بھی تمہارا یہی لباس تھا میں خفیف تو ہوا لیکن کہا کہ میں تقریباً اوائل عمر سے ایک ہی قسم کا لباس پہنتا ہوں شاید آپ نے اس لئے محسوس کیا کہ ایک ہی جوڑا ہے۔ علماء کے متعلق ہمیشہ یہی نظریہ یا خیال رکھتے رہے۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی اس معاملے میں بڑے حساس تھے لیکن اپنے لیٹر پیڈ پر انہوں نے اپنے آپ کو امام شاہی مسجد شجاع آباد لکھوایا تھا اور اس میں کوئی عار نہیں سمجھی یہیں ایک بات اور یاد آئی ساہیوال جامعہ رشیدیہ کا جلسہ تھا قاسمی صاحب تقریر کر کے آئے گرمی کا موسم تھا اور لباس پسینے سے شرابور تھا قاضی صاحب نے فرمایا بابو! تقریر کرنے کے بعد فوراً لباس تبدیل کر لیا کرو اور جسم کو پونچھ لیا کرو کہ پسینے میں زہر ہوتا ہے۔ قاضی صاحب عام طور پر بابو پیار سے استعمال کرتے تھے اور امیر شریعت بھی کوئی بات سمجھانے کے وقت یہ لفظ استعمال کرتے۔

آجکل کچھ پیشہ ور واعظ اور خطیب ہیں جو ہوائی جہاز کا ٹکٹ مانگتے ہیں اور پھر آمد و رفت کا کرایہ بھی خاصا زیادہ۔ اگر کم دو تو کئی تو صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ اتنے اور دو یا آپ کی جیب یا غلہ سے نکال لیں گے یا کسی نہ کسی طریقے سے اظہار کر دیں گے بعض حضرات کی ایک ہی شہر میں دو تین تقریریں ہوتی ہیں اور سب سے پورا پورا الگ الگ لیتے ہیں۔ تبھی وعظ و تبلیغ کا کچھ اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہیے۔ میں جب لکھتا ہوں تو بات سے بات نکلتی یا یاد آجاتی ہے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو جیسا کہ ذکر کیا ۱۹۵۰ء میں، میں

نے دوسرے اکابر احرار کے ساتھ بلایا ان دنوں بسیں اور کاریں کم تھیں غالباً کوئٹہ گاڑی پر ہم حضرت کو چھوڑنے گئے۔ میں نے کچھ کرایہ وغیرہ پیش کرنا چاہا تو فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں اور کہا کہ تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمہارا جلسہ بخیر وخوبی ہو گیا (اور میرا پارسل تم نے وصول کر لیا) آپ جھنگ سے خانیوال اور وہاں سے خیبر میل پر میاں چنوں تشریف لائے تھے پارسل والی بات اس وقت کہی تھی میں نے دوبارہ عرض کیا تو غصے ہوئے۔ اور ایک دفعہ فرمایا کہ میں کسی جگہ تقریر کیلئے جاتا ہوں اگر منتظمین کچھ دیتے ہیں تو ان کو کبھی گن کر نہ اس وقت اور نہ بعد میں کبھی دیکھا اور ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک جگہ گیا تو انہوں نے مجھے کرایہ دیا اور چاندی کے روپوں کی شکل میں۔ میں نے وہ جیب میں یا کسی جگہ رکھ لئے۔ ریل پر واپسی تھی اسٹیشن پر گیا ان دنوں کرایہ بہت کم ہوتا تھا ۶۸ کی بات ہے کہ لاہور سے ملتان کا بس کا کرایہ پانچ روپے تھا اور یہ تو قیام پاکستان کے بہت قبل کی بات ہے جب ایک تولہ چاندی کا ایک روپیہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک روپیہ نکالا اور ٹکٹ مانگا تو بابو نے کہا روپیہ کھوٹا ہے دوسرا نکالا وہ بھی کھوٹا نکلا۔ ان دنوں کھوٹے کھرے کی پہچان کرتے تھے میں نے دو تین نکالے تو وہ کھوٹے ہی نکلے میں پیچھے ہٹ گیا اور خیال کیا کہ نقلی وجعلی روپے بنانے کے جرم میں نہ دھر لیا جاؤں اور پھر شاید کوئی پہلا روپیہ نکل آیا تو ٹکٹ لیا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے بیان کیا ہوگا کہ میں نے اپنے کیسے میں کبھی نہیں دیکھا کہ کتنے روپے ہیں یا رقم ہے اس پر ایک دفعہ مولانا عبدالرحمٰن میانوی نے آپ کے کرتے کی جیب سے کچھ روپے غالباً پچاس نکال لئے کہ آپ نے گرمی سے یا نہانے کیلئے کرتہ اتار رکھا تھا اور پھر کئی دن بعد دوبارہ ڈال دیئے۔ کسی دن ایسے ہی بات کرتے ہوئے مولانا میانوی مرحوم نے کہا آپ سچ کہتے تھے شاہ صاحب حیران ہوئے کہ اس کا کیا مطلب ہے تو اس پر میانوی صاحب نے مندرجہ بالا واقعہ بیان کیا کہ میں اس کے بعد آپ کے چہرے اور اداؤں کو دیکھتا رہا مجھے بالکل محسوس نہیں ہوا کہ آپ کو علم ہو گیا کہ آپ کے روپے نکالے گئے اور پھر ڈالے گئے تو اس پر شاہ صاحب کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم کیا سمجھتے ہو کہ میں جھوٹ بولتا ہوں اور تم نے تجربہ کر کے دیکھا۔ میں نے مولانا عبدالرحمٰن میانوی سے یہ قصہ خود سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے اس سے قبل پہلے کبھی شاہ صاحب کو اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا شاہ صاحب فرمایا کرتے کہ مجھے ایک چیز سے پیار ہے اور دو چیزوں سے نفرت۔ قرآن مجید سے محبت اور پیار ہے اور جھوٹ بولنے والے اور انگریز سے نفرت ہے۔ ''انقلاب'' کے ایڈیٹر عبدالمجید سالک نے ایک دفعہ ''انقلاب'' میں ایک غلط خبر یا تقریر اپنی طرف سے بنا کر انقلاب کی سرخی لگا ڈالی حضرت شاہ صاحب۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم۔ پطرس بخاری عبدالمجید سالک اور فیض احمد فیض حضرت شاہ صاحب کے بہت بے تکلف دوستوں سے تھے لیکن سالک صاحب سے شاہ صاحب اس غلط خبر لگانے کی وجہ سے بہت عرصہ ناراض رہے پھر دوسرے دوستوں نے ایک تقریب میں ایک ترکیب نکال کر ایک دوسرے سے ملایا اور صلح ہوئی یہ قصہ کتابوں میں اور شاہ صاحب کے حالات میں آچکا ہے لیکن وجہ بیان نہیں ہوئی کہ ناراض کس بات پر تھے میرا خیال ہے کہ شاید یہ بات تھی۔

تو قاسمی مرحوم کو بھی میں نے کبھی بھاؤ تاؤ کرتے، کرایہ مقرر کرتے یا گنتے نہیں دیکھا اور نہ کبھی کسی خاص کھانے کی فرمائش کی جو مل گیا لے لیا اور بعض جگہ انکار بھی کر دیتے تھے اور جو کھانا مل گیا وہ کھا لیتے۔ جب امراض نے آگھیرا تو اس کی واجب پرہیز کرتے تھے ساری زندگی مشن سمجھ کر گذار دی اور یہ خیال کیا کہ یہ زندگی اللہ کی امانت ہے اس کے دین، محبت رسول ﷺ کے صحیح طریقے پر

نے دوسرے اکابر احرار کے ساتھ بلایا ان دنوں بسیں اور کاریں کم تھیں غالباً کوئٹہ گاڑی پر ہم حضرت کو چھوڑنے گئے۔ میں نے کچھ کرایہ وغیرہ پیش کرنا چاہا تو فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں اور کہا کہ تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمہارا جلسہ بخیر و خوبی ہو گیا (اور میرا پارسل تم نے وصول کر لیا) آپ جھنگ سے خانیوال اور وہاں سے خیبر میل پر میاں چنوں تشریف لائے تھے پارسل والی بات اس وقت کہی تھی میں نے دوبارہ عرض کیا تو غصے ہوئے۔ اور ایک دفعہ فرمایا کہ میں کسی جگہ تقریر کیلئے جاتا ہوں اگر منتظمین کچھ دیتے ہیں تو ان کو بھی گن کر نہ اس وقت اور نہ بعد میں کبھی دیکھا اور ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک جگہ گیا تو انہوں نے مجھے کرایہ دیا اور چاندی کے روپوں کی شکل میں۔ میں نے وہ جیب میں یا کسی جگہ رکھ لئے۔ ریل پر واپسی تھی اسٹیشن پر گیا ان دنوں کرایہ بہت کم ہوتا تھا ۶۸ کی بات ہے کہ لاہور سے ملتان کا بس کا کرایہ پانچ روپے تھا اور یہ تو قیام پاکستان کے بہت قبل کی بات ہے جب ایک تولہ چاندی کا ایک روپیہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک روپیہ نکالا اور ٹکٹ مانگا تو بابو نے کہا روپیہ کھوٹا ہے دوسرا نکالا وہ بھی کھوٹا نکلا۔ ان دنوں کھوٹے کھرے کی پہچان کرتے تھے میں نے دو تین نکالے تو وہ کھوٹے ہی نکلے میں پیچھے ہٹ گیا اور خیال کیا کہ نقلی و جعلی روپے بنانے کے جرم میں نہ دھر لیا جاؤں اور پھر شاید کوئی پہلا روپیہ نکل آیا تو ٹکٹ لیا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے بیان کیا ہوگا کہ میں نے اپنے کیسے میں کبھی نہیں دیکھا کہ کتنے روپے ہیں یا رقم ہے اس پر ایک دفعہ مولانا عبدالرحمن میانوی نے آپ کے کرتے کی جیب سے کچھ روپے غالباً پچاس نکال لئے کہ آپ نے گرمی سے یا نہانے کیلئے کرتہ اتارا ہوا تھا اور پھر کئی دن بعد دوبارہ ڈال دیئے۔ کسی دن ایسے ہی بات کرتے ہوئے مولانا میانوی مرحوم نے کہا آپ سچ کہتے تھے شاہ صاحب حیران ہوئے کہ اس کا کیا مطلب ہے تو اس پر میانوی صاحب نے مندرجہ بالا واقعہ بیان کیا کہ میں اس کے بعد آپ کے چہرے اور اداؤں کو دیکھتا رہا مجھے بالکل محسوس نہیں ہوا کہ آپ کو علم ہو گیا کہ آپ کے روپے نکالے گئے اور پھر ڈالے گئے تو اس پر شاہ صاحب کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور فرمایا کہ عبدالرحمن تم کیا سمجھتے ہو کہ میں جھوٹ بولتا ہوں اور تم نے تجربہ کر کے دیکھا۔ میں نے مولانا عبدالرحمن میانوی سے یہ قصہ خود سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے اس سے قبل پہلے کبھی شاہ صاحب کو اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا شاہ صاحب فرمایا کرتے کہ مجھے ایک چیز سے پیار ہے اور دو چیزوں سے نفرت۔ قرآن مجید سے محبت اور پیار ہے اور جھوٹ بولنے والے اور انگریز سے نفرت ہے۔ ''انقلاب'' کے ایڈیٹر عبدالمجید سالک نے ایک دفعہ ''انقلاب'' میں ایک غلط خبر یا تقریر اپنی طرف سے بنا کر انقلاب کی سرخی لگا ڈالی حضرت شاہ صاحب۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم۔ پطرس بخاری عبدالمجید سالک اور فیض احمد فیض حضرت شاہ صاحب کے بہت بے تکلف دوستوں سے تھے لیکن سالک صاحب سے شاہ صاحب اس غلط خبر لگانے کی وجہ سے بہت عرصہ ناراض رہے پھر دوسرے دوستوں نے ایک تقریب میں ایک ترکیب نکال کر ایک دوسرے سے ملایا اور صلح ہوئی یہ قصہ کتابوں میں اور شاہ صاحب کے حالات میں آچکا ہے لیکن وجہ بیان نہیں ہوئی کہ ناراضی کس بات پر تھے میرا خیال ہے کہ شاید یہ بات تھی۔

تو قاسمی مرحوم کو بھی میں نے کبھی بھاؤ تاؤ کرتے، کرایہ مقرر کرتے یا گنتے نہیں دیکھا اور نہ کبھی کسی خاص کھانے کی فرمائش کی جو مل گیا لے لیا اور بعض جگہ انکار بھی کر دیتے تھے اور جو کھانا مل گیا وہ کھا لیتے۔ جب امراض نے آگھیرا تو اس کی واجب پرہیز کرتے تھے ساری زندگی مشن سمجھ کر گذار دی اور یہ خیال کیا کہ یہ زندگی اللہ کی امانت ہے اس کے دین، محبت رسول ﷺ کے صحیح طریقے پر

چلنے اور صحابہؓ کی عظمت وجلالت بیان کرنے کیلئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ سے ملنے والے، بلانے والے آپ سے محبت کرتے تھے۔ میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ ان کو ایک جگہ سے چالیس سال قبل پچاس سے روپے ملے تو وہ چارپائی پر لیٹے ہوئے ان کو بار بار گنتے تھے۔ حب المال اور کثرۃ المال کی ہوس بہت بڑا فتنہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ الغنی غنی النفس۔ تونگری، دل کی تونگری ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''غنی'' اس لئے کہتے ہیں کہ مالدار تو تھے لیکن اپنے مال کو اسلام اور مسلمانوں کیلئے بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں قحط پڑ گیا آپ کے کثیر تعداد میں اونٹ غلے سے لدے ہوئے آئے۔ تاجر یاوں کہیے کہ ساہوکار قسم کے افراد آپ کے پاس آئے اور کہا کہ یہ غلہ ہمیں فروخت کر دیں اور نرخ لگانے لگے غالباً لاگت سے چار پانچ گنا دینے کو تیار ہو گئے آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ نفع کم ہے مجھے اس سے زیادہ بہت زیادہ دس گنا ملتا ہے وہ لوگ حیران ہوئے کہ ایسا کون ہے ان کی نظر میں سوائے اپنے مدینہ میں اور کوئی تاجر ایسا نہ تھا۔ ان کے متعجب اور حیران ہونے پر آپ نے سارا غلہ مدینہ میں مفت تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ میرے اللہ کا وعدہ ہے

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها جو ایک نیکی کرتا ہے ہم اس کا ثواب (آخرت میں) یا پھر دنیا ہی میں دس گنا دیتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں اگر اس میں کسی اپنے عزیز کا ذکر کر دوں میرے ایک رشتے میں تایا گذشتہ صدی کے پہلے عشرے میں افریقہ گئے اور کوئی کام کیا تو سکہ رائج الوقت پانچ روپے یا جو کچھ بھی سکہ تھا پانچ ملے وہ انہوں نے خیرات کر دئے پھر کام کیا تو پچاس ملے وہ بھی خیرات کر دیے پھر پانچ سو ملے وہ مجھے کہتے تھے کہ رشید اس کے بعد میرے یقین کی وہ حالت نہ رہی اور میں نے خیال کیا کہ کیا اب پانچ ہزار مل سکتے ہیں اور میرا ہاتھ رک گیا چلو ایک واقعہ اور سن لیں حضرت رابعہ بصریہ'' مشہور اہل اللہ گذری ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس امت میں ڈھائی قلندر گذرے ہیں دو فلاں فلاں اور آدھی رابعہ بصریہ''۔۔۔۔۔ یہ بات تو تفنن طبع کے طور پر لکھ دی۔۔۔۔۔ دو آدمیوں نے ارادہ کیا کہ رابعہ بصریہ'' سے ملنا چاہیے کہ وہ بہت بڑی نیک خاتون ہیں ان کو بھوک بھی لگی تھی خیال کیا کہ دیکھیں فراست ایمانی سے وہ ہماری بھوک کو جانتی ہیں یا نہیں، گئے گفتگو ہونے لگی تو ایک سائل آیا اور اس نے کھانے کا سوال کیا ۔رابعہ کے پاس دو روٹیاں تھیں وہ اس محتاج یا سائل کو دیدیں۔ اس کے بعد ایک شخص آیا اور ایک طباق میں روٹیاں لایا اور کہا یہ آپ کے لئے لایا ہوں رابعہ نے گنیں تو وہ اٹھارہ تھیں واپس کر دیں اور کہا کہ میری نہیں ہیں۔ پھر دوبارہ وہی شخص آیا اور طباق روٹیوں کا لایا رابعہ نے گنیں تو وہ بیس تھیں تو یہ کہکر لے لیں کہ ہاں یہ میری ہیں اور ان مہمانوں کو کہا کہ کھائیں اس پر انہوں نے سوال کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا ہم بھوکے تھے آپ نے ہماری بجائے سائل کو دو روٹیاں دیدیں پھر ایک طباق آیا آپ نے واپس کر دیا لیکن دوبارہ قبول کر لیا۔ رابعہ نے کہا جب آپ لوگ آئے تو مجھے خیال ہوا کہ آپ سے کھانے کا پوچھوں لیکن تم دونوں صحتمند تھے دو روٹیوں سے تم سیر نہ ہوتے میں سوچ ہی رہی تھی کہ پیش کروں یا نہ، کہ سائل نے کھانے کی آواز دی سائل کو دینے کی کتاب وسنت میں بار بار تاکید اور اسکی فضیلت آئی ہے میں نے وہ دو روٹیاں اس کی نذر کر دیں اور آپ کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد ایک شخص اٹھارہ روٹیاں لیکر آیا لیکن میں نے واپس کر دیں پھر وہی شخص بیس لیکر آیا تو میں نے لے لیں وہ فرشتہ تھا اور میرا امتحان لینا چاہتا تھا کہ میرا اللہ کے وعدہ پر یقین ہے یا نہیں میرا پختہ یقین تھا کہ اگر اللہ مجھے دیگا تو اپنے وعدے کے مطابق دو کے بدلے بیس دے گا اور آپ

لوگوں نے دیکھا کہ پھر وہی شخص میں لایا۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور میں اپنے یقین میں پختہ رہی۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے رابعہ بصریہ (م ۱۵۸ھ/۸۱۰ء) کا غبار خاطر میں ایک اور واقعہ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ امام قشیری، ابوطالب مکی، فریدالدین عطار صاحب عرائس المجالس، صاحب روح البیان اور شعرانی رحمھم اللہ نے رابعہ بصریہ کا ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک دن اس عالم میں گھر سے نکلیں کہ ایک ہاتھ میں آگ کا برتن تھا دوسرے میں پانی کا کوزہ، لوگوں نے پوچھا کہاں جارہی ہو تو رابعہ نے کہا میں چاہتی ہوں اس آگ سے جنت کو جلادوں اور پانی سے جہنم کی آگ کو بجھادوں تاکہ کوئی اللہ کی عبادت جنت کے لالچ اور جہنم کے خوف سے نہ کرے جو کچھ کرے اللہ کی محبت اور حکم سمجھ کر کرے اس کے بعد رابعہ بصریہ کے قلندر ہونے میں کیا شک ہے کہ رابعہ تو نے حقیقت کی بات قلندرانہ انداز میں کہ دی ع سخن نگفتنی رابقلندرانہ گفتی

اور اصل یہی ہے کہ اللہ کی عبادت کو اسکا حکم اور اطاعت سمجھ کر کی جائے۔ قرآن پاک میں سورۃ بقرہ کے تیسرے رکوع کے شروع میں ہے

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم فلا تجعلوا للّٰہ اندادا وانتم تعلمون

اے انسانوں کے گروہ! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم سے پہلے گذرے تاکہ تم (آگ سے) بچ سکو وہ رب جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی نازل کیا پس اس سے تمہارے لئے پھل نکالے جو تمہارے لئے رزق ہے پس اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ اور تم اس کو جانتے ہو (کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں)

دیکھئے اس آیت کی ترتیب میں پہلے "اعبدوا" "عبادت کرو" ہے سلیم الفطرت کیلئے اتنا ہی کافی ہے پھر دلیل دی کہ وہ تمہارا رب ہے اور پھر مزید کہا کہ اس نے تمہیں پیدا کیا پھر کہا کہ نہیں تم سے پہلے لوگوں کو بھی پیدا کیا اس کی عبادت کرو کہ اس کی نافرمانی کی سزا سے بچ سکو پھر مزید دلیل کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا کہ تم اس پر چلتے پھرتے ہو جبکہ سائنسدانوں کے مطابق وہ گولائی میں لٹو کی طرح اور آگے کو بھی بہت تیز رفتار سے دوڑتی ہے کہ اگر اس کا اندزہ لگاؤ تو ٹھہرنا ممکن نہ ہو لیکن اللہ نے ممکن بنایا اور آسمان کو چھت بناکر اس سے یعنی بلندی سے پانی برساکر اسی زمین سے تمہارے لئے قسم قسم کے میوے پیدا کئے پس کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ ایسے رب کے کوئی مقابل یا شریک بنایا جائے اگر غور کرو تو تم اس کو سمجھتے یا سمجھ سکتے ہو۔ اللہ کا اپنے کلام میں یہ کہنا کہ عبادت کرو کافی تھا پھر فرمایا اپنے رب کی۔ پھر مزید دلیل دی کہ وہ تمہارا پیدا کرنیوالا ہے تم سے پہلوں کو پیدا کرنیوالا ہے اس کے بعد کی دلیلیں مزید برہان وحجت ہیں اور اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رب سمجھ کر اس کی عبادت کی جائے جیسا کہ عرض کیا سلیم الفطرت انسان تو ویسے ہی یہ سمجھتا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی اکرم ﷺ کے نبوت کے اعلان سے پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا نہ کوئی اور حرام کام کیا۔ اور نبی اکرم ﷺ ہی کا ارشاد ہے کہ ابوبکر کو جب میں نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کوئی دلیل طلب نہیں کی۔ ایسے اور بھی صحابہ ہیں لیکن ابوبکر کا پہلا نمبر ہے۔ بعض لوگ کچھ دلائل سنکر ایمان لائے۔ کچھ کے ایمان کا قرآن

سننا سبب بنا۔ کئی لوگ معجزے دیکھ کر ایمان لائے اور بہت سے لوگ معجزے طلب کر کے ان کو دیکھ کر پھر بھی ایمان نہیں لائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گذشتہ پیرے میں رابعہ بصریہ کا واقعہ نقل ہوا کہ جنت کو آگ لگانے اور جہنم کی آگ بجھانے کے ارادے سے نکلیں یہ ان کی قلندرانہ اور مجذوبانہ شان تھی ورنہ جنت اور جہنم اپنے آقا ومولی کی فرمانبرداری کی جزا اور نافرمانی کی سزا ہے۔ اس دنیا میں بادشاہ لوگوں کے ادب اور ان کی اطاعت شعاری دیکھ کر انعام سے نوازتے، جاگیریں عطا کرتے اور دشمنوں کو قتل کرتے اور سزائیں دیتے ہیں اور انسان طبعاً یا فطرتاً لالچی ہے اگر قرآن پاک میں جنت اس کی نعمتوں حور قصور اور جہنم کی ہولناکیوں کا ذکر ہے تو یہ ان انسانوں کیلئے ہے جو لالچ یا خوف رکھتے ہیں ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم اللہ کی عبادت کروگے تو دنیا میں جس دنیا کے لئے مرتے پھرتے ہو اور جائز و ناجائز کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے اگر اس محدود دنیا میں اس کی عبادت کروگے تو تمہیں لامحدود زندگی میں اتنا کچھ دیا جائے گا کہ جس کا تم تصور تک نہیں کر سکتے تو یہ باتیں اور چیزیں ان لوگوں کیلئے ہیں جو فنا فی الدنیا ہیں حالانکہ یقین ہے کہ ہم نے اس دنیا سے چلے جانا ہے اور جو کچھ ہم کما رہے ہیں اور اس پر اپنی زندگی کو لگا رہے ہیں وہ یہیں چھوڑ جانا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس پر قبضہ کر لینا ہے یہ ضروری نہیں کہ اولاد اس کو کھائے۔ جو لوگ جنت جہنم کا مذاق اڑاتے ہیں اور "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" پر عمل کرتے ہیں وہ دنیا میں اس طرح دنیا کمانے میں غرق ہیں کہ الامان والحفیظ۔

راقم نے قیام پاکستان کے چند سال بعد ایک ایسے کروڑ پتی پاکستانی کا سفرنامہ پڑھا جو اوائل میں یو این او میں پاکستان کے مستقل مندوب تھے۔ وہ اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ہالی وڈ کی فلموں میں کام کرنیوالے ایکٹر اور ایکٹرسوں کا فون معلوم کرنا چاہا اور ڈائریکٹری میں تلاش کیا تو ان کا پتہ اور فون نہ ملا کہ ان کے فون اگر ہر کسی کو معلوم ہوں تو پھر ان کی زندگی اجیرن ہو جائے اور اس وقت آج کی سہولت نہ تھی کہ فون کرنیوالے کا پتہ لگ جاتا ہے اور اب تو ایسے فون آگئے ہیں کہ اس پر فون کرنیوالے کی تصویر بھی آجاتی ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ لوگ عام طور پر شاپنگ کہاں کرتے ہیں اس بازار گیا وہاں بھی کوئی نہ ملا۔ ایک دن بوٹ خریدنے لگا تو دکاندار نے اس کی قیمت دو تین ڈالر بتائی جو اس وقت کے لحاظ سے بہت زیادہ تھی میں نے گرانی کا سبب پوچھا تو کہا گیا کہ اس بوٹ کو فلاں ایکٹر پہنتا ہے میں نے فوراً خرید لیا۔ اور اس کے بعد ایک دن ہالی وڈ گیا وہاں ایک پارک یا جگہ میں مشہور ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے پاؤں کے نشانات ثبت ہیں کہ گیلے گیلے سیمنٹ وغیرہ پر ان لوگوں کو ننگے پاؤں چلا کر یا کھڑا کر کے نشان محفوظ کرتے گئے میں ان دنوں اور اب بھی کبھی کبھی مزاحاً کہا کرتا ہوں کہ یہ صاحب ایک بات میں تقیہ کر گئے یعنی چھپا گئے کہ انہوں نے ان کے پاؤں کے نشانوں کو بوسہ دیا ہوگا اور لیا ہوگا لیکن ذکر نہیں کیا۔ اور ایسے لوگ نیک لوگوں کی عبادت اور قرآن پاک میں جنت اور جہنم کے ذکر کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ خود دن رات روپیہ کمانے، زیادہ سے زیادہ مکان بنانے اور زمین خریدنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان سے کہا گیا ہے کہ محدود زندگی اللہ کی عبادت وطاعت میں گذارو لامحدود زندگی میں ضروریات تو پوری ہو سکتی ہیں خواہشات انسانی لامحدود ہیں وہ لامحدود زندگی میں حاصل کریں۔

ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون (القرآن) وہاں تمہارے لئے وہ کچھ ہوگا جس کی خواہش

تمہارے نفس کریں گے اور ہر وہ چیز ہوگی جس
کو تم طلب کرو گے۔

یہاں تو ایسا ہے کہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

ایک ایسا ہی کروڑ پتی شخص بنگال میں قیام پاکستان سے قبل تھا کہ اس کے گوداموں میں لاکھوں من چاول پڑے تھے بنگال میں قحط پڑا تھا اور وہ مزید گرانی ہونے کے چکر میں تھا مرد عورتیں ایک وقت کی خوراک کیلئے اپنی اولاد کو بیچ رہے یا مار رہے تھے اور کم از کم دس لاکھ انسان اس قحط میں (غالباً پچاس لاکھ) لقمہ اجل بن گئے تھے میں اس ظالم شخص کا نام نہیں لیتا مسلمان تھا اور لیڈر تھا۔ اس قحط کا حال میں نے ان دنوں اخبارات میں پڑھا تھا اور اب شہاب نامہ میں قدرت اللہ شہاب نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس شخص کا نام نہیں لیا۔ اللہ تعالیٰ کمانے اور اس کے راستے میں خرچ کرنے کی ہر ایک کو توفیق دے۔ یہ دنیا یہیں رہ جائیگی لیکن اگر کوئی اس کو اچھے راستے میں خرچ کریگا تو وہ اس کے آخرت میں کام آئیگا۔ نبی اکرم ﷺ ایک دفعہ گھر تشریف لائے اور پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے تو عرض کیا گیا کہ کچھ باقی ہے باقی اللہ کے راستے میں دیدیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ کے راستے میں یا کسی سائل کو دیدیا گیا وہی باقی ہے۔

بات قاسمی صاحب کی ہو رہی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ میرے نبی ﷺ کی سنت ہے کہ خوب کھلاؤ پلاؤ اور ولیل میں حضرت خدیجہ کبریٰؓ کے وہ الفاظ اور جملے نقل کرتے جو ہماری سب مسلمانوں کی امی نے حضور ﷺ کی تسلی دیتے ہوئے کہے اور کہا کرتے کہ میرا نبی ﷺ ڈیرے دار تھا ڈیرے دار ان معنوں میں نہیں جیسے آجکل ڈیرے دار ہیں بلکہ اس معنی میں کہ آپ ﷺ کا سب کچھ امت کے افراد کیلئے تھا اور اپنے لئے قُوْتِ لا یموت کے برابر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک دفعہ میاں چنوں میں سیرۃ النبی ﷺ کا جلسہ تھا پہلے دن مولانا قاسمی کی تقریر تھی پتہ نہیں کس بات کے ضمن میں۔ میں نے روس کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کا فقرہ سنایا جو روسی نظام یعنی سوشلزم اور کمیونزم کے متعلق تھا مولانا کا تکیہ کلام میرے بھائی تھا فرمایا۔ میرے بھائی! یہ ایک تجربہ ہے تجربے ناکام بھی ہوتے ہیں اور کامیاب بھی۔ اسلام کے متعلق فرمایا کہ وہ عقیدے اور اعمال صالحہ کا نام ہے کہ رب کو ایک مان کر اس کی اطاعت کی جائے اور نبی اکرم ﷺ کی اور صحابہؓ کی سادگی کو اپنایا جائے۔ قاسمی صاحب میری طرف بغور دیکھتے رہے اور کہا کہ میں نے جو طویل تقریر میں بیان کرنا تھا تو نے مولانا آزاد کے حوالے سے تین چار جملوں میں بیان کر دیا۔ بہر حال اس کے بعد قاسمی صاحب کی تقریر ہوئی۔ اگلی رات حضرت مولانا محمد عبداللہ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ کی تقریر تھی۔ میں نے اعلان کیا کہ یہ کلی ہے اور پھول ہے کل اس پودے کو دیکھنا جس کی ڈالی پر یہ لگا ہے یہ خوشبودار ہوا کا ایک جھونکا ہے کل بہار جوبن پر ہوگی لوگوں پر اس کا خاص اثر ہوا اور اگلے دن پہلے دن سے زیادہ لوگ جلسے میں آئے۔ حضرت مولانا ایک خاص جذبہ میں تقریر کرتے اور اپنے مخصوص لہجے میں قرآن مجید کی تلاوت اور ترجمہ کرتے اور ایسے ہی زیادہ فارسی کے اشعار

گلستان سعدیؒ سے خاص انداز میں پڑھتے کہ سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ان کی یاد آتی ہے تو دل بھر آتا ہے کہ کیسے کیسے لوگ تھے جن کو ہم نے دیکھا۔ ان کا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا ہر کام سنت کے تابع تھا اگر کسی مجلس میں غیبت ہوتی تو منع کرتے اس پر بھی کوئی اس طرح کی بات پھر کرتا تو السلام علیکم کہہ کر مجلس سے اٹھ جاتے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا تینوں بھائی ایسے ہی تھے۔ سفر میں ہمیشہ لوٹا اور تھیلا اپنے پاس رکھتے اگر طویل سفر کرنا ہوتا کہ راستے میں نماز کا وقت ہوتا تو اس جگہ کا ٹکٹ لیتے جہاں اتر کر جماعت سے نماز پڑھ سکیں پھر وہاں سے اگلا سفر شروع کرتے اور کئی دفعہ یہ وصیت کی کہ میں اگر سفر میں مر جاؤں تو جہاں میری موت واقع ہو اسی جگہ سڑک کے کنارے متعلقہ زمین کے مالک سے اجازت لیکر دفن کر دینا۔ میت کو لئے لئے نہ پھرنا اللہ کا فضل ہوا کہ ۲۸ رمضان المبارک کو فوت ہوئے اور اپنے متقی والد جو رمضان میں ہی فوت ہوئے تھے کے قدموں میں ساہیوال دفن ہوئے والد مفتی فقیر اللہ، تینوں بیٹوں مولانا محمد عبد اللہ، مولانا قاری لطف اللہ صاحب شہید اور مولانا حبیب اللہ اور تینوں بھائیوں کی والدہ مرحومہ اور مولانا عبد اللہ، مولانا حبیب اللہ کی بیویاں، مولانا عبد اللہ صاحب کے بیٹے مولانا حافظ مطیع اللہ، اور دوسرے کئی اعزا کی قبریں ایک ساتھ ملتان روڈ پر قبرستان میں ہیں گویا گنج ہائے گرانمایہ ایک جگہ زمین میں مدفون ہے۔

غلہ منڈی ساہیوال کے ایک نیک مرد جن کی حضرت مفتی فقیر اللہؒ سے بہت عقیدت تھی اور حضرت مفتی صاحب کے تقوٰی وطہارت سے بہت متاثر تھے، انہوں نے وصیت کی کہ میری قبر اگر ہو سکے تو مفتی صاحب کی قبر کے قریب تر بنانا۔ غالباً سال ڈیڑھ سال بعد ان کی وفات ہوئی تو ان کی تمنا یوں بر آئی کہ مفتی صاحب کی لحد کی جانب جگہ مل گئی حالانکہ دو بیٹوں اور کئی اعزا کی اس قبرستان میں تدفین ہوئی (مولانا قاری لطف اللہ پہلے شہید ہو گئے تھے) لیکن اس نیک مرد کیلئے یہ جگہ خالی رہی۔ عین ممکن ہے کہ خاندان کے کسی فرد کو اس طرف اس لئے نہ دفنایا گیا ہو کہ اس طرح وہ مفتی صاحب کے آگے ہو جائیں گے۔ بہر حال قبر کھودی گئی اور چونکہ اس جانب لحد تھی اس میں سوراخ ہو گیا۔ پیر مرد کے گھر والوں کو مفتی صاحب کی نیکی کا علم تھا لہٰذا انہوں نے گورکنوں کو کہہ کر سوراخ کو بڑا کرایا کہ مفتی صاحب کو دیکھا جا سکے جب روشنی میں مفتی صاحب کا چہرہ دیکھا تو اس طرح کی بشاشت چہرے پر نظر آئی جس طرح کوئی سویا ہوا بچہ خواب دیکھ کر مسکراتا ہے اور یہ معصوم مسکراہٹ اس کے ماتھے سے نظر آتی ہے۔ اس کی خبر متبع سنت بیٹے مولانا محمد عبد اللہ کو دی گئی تو فرمایا کہ جلدی سے اس سوراخ کو بند کرو...... اور ایسا ہی واقعہ حضرت مفتی صاحب کے ایک بزرگ رفیق حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانویؒ کی قبر پر میاں چنوں پیش آیا کہ دس گیارہ ماہ بعد زور کی بارش ہوئی، مرحوم کی قبر بلند جگہ پر بنائی گئی تھی قبر پانی سے بھر گئی (یہ قبر ایک شخص کے بتانے پر کہ حضرت مولانا کی وصیت تھی کہ میری قبر جامع مسجد محمودیہ کے باہر مشرق میں ایک کونے میں بنائی جائے بنائی گئی تھی اور مسجد بناتے وقت مسجد کی ڈیڑھ دو فٹ مٹی سے بھرائی کی گئی تھی مٹی بہت نرم ہو چکی تھی) چار آدمیوں نے احاطہ کے دروازوں کو بند کر کے قبر سے نعش نکال کر ایک کمرے میں رکھ کر تالا لگا دیا اور قبر کو خشک کر کے دوبارہ تدفین کیگئی میں لاہور سے جا کر ایک شخص سے جو اس پورے کام میں شریک تھا بڑی سخت قسم دلا کر پوچھا کہ بتاؤ کیا صورت تھی اس نے بتایا کہ مولانا صبح تہجد کے وقت وضو کر کے پاؤں لٹکا کر چار پائی پر بیٹھے تھے کہ اختلاج قلب کے دورے سے منہ کے بل گرے اور رخسار پر چوٹ آئی۔ نعش کو نکالا گیا تو اس چوٹ کی سرخی رخسار پر موجود تھی، وزن پورا تھا اور میں نے ہاتھ کی انگلیوں کو ہلا جلا کر دیکھا زندگی

کی طرح نرم تھیں اور مزتی تھیں۔ حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم دونوں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانوی تو حضرت گنگوہیؒ کے بیعت تھے۔ اور حضرت مولانا محمد ابراہیمؒ، قاضی صاحب سے ان کی تبلیغی صفات و خدمات کی بناء پر بہت پیار اور شفقت سے پیش آتے تھے اور قاضی مرحوم کو بھی حضرت مولانا سے از حد عقیدت تھی اور جامعہ رشیدیہ کے اساتذہ کے تو وہ شاگرد اور مولانا قاری لطف اللہ شہید کے بہت نیاز مند تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاکستان کیا دنیا میں بہت سے عجیب واقعات پیش آتے ہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے افکار و خیالات سے قیام پاکستان کے دو تین سال بعد ہر مکتب فکر کے علماء نے شدید اختلاف کیا اور اس پر کافی کچھ لکھا گیا حتی کہ خود جماعت اسلامی کے اندر اختلاف پیدا ہوا اور خاصی تعداد بڑے لوگوں کی علیحدہ ہو گئی لیکن یہ اختلاف جماعت کے سیاسی نظریات پر تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے تھے ماچھی گوٹھ کے طویل اجتماع میں بہت بحث مباحثہ ہوا حتی کہ مولانا نے جماعت اسلامی کی امارت سے استعفیٰ دیدیا تاہم جماعت کے ارکان کی خاصی بڑی اکثریت نے کہا کہ ہم مولانا ہی کو جماعت کا امیر دیکھنا چاہتے ہیں بنیادی اختلاف اس امر میں تھا کہ جماعت اسلامی تعمیر سیرت اور اصلاح معاشرہ کا کام کرے اور سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دے لیکن جماعت جہاں تک آگئی تھی یا مولانا اس کو جہاں تک لے آئے تھے اب اس سے ہٹنا مولانا کے بس میں نہ تھا اور ارکان بھی جذباتی تھے اس پر مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن، حکیم عبدالرحیم اشرف، ڈاکٹر اسرار احمد اور ارشاد احمد حقانی وغیرہ حضرات کی جماعت، جو جماعت کی "کریم" سمجھی جاتی تھی جماعت سے علیحدہ ہو گئی اور آج تک اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا اور لکھا جا رہا ہے لیکن دوسری تمام دینی یا نیم سیاسی جماعتوں کو اختلاف مولانا کی ذاتی آراء و تحقیقات پر تھا یہاں اس کی بحث تحصیل حاصل ہو گی پڑھے لکھے لوگ اس کو جانتے ہیں لیکن مولانا کا عجیب رویہ رہا بظاہر تو یہ عندیہ دیتے رہے کہ میرا موقف صحیح ہے لیکن علماء کی شدید مخالفت کا اثر یہ ہوا کہ اپنی تفسیر اور کتب سے بعض فقرات بدل دیے یا ختم کر دیے اور میرے علم کے مطابق ان کا اعلان نہ کیا کہ یہ یہ عبارات اب یوں کر دی گئی ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا تھانہ بھون سے ایک رسالہ ترجیح الراجح شائع ہوتا تھا اگر حضرت تھانویؒ کے کسی موقف یا مسئلہ سے کسی کو اختلاف ہوتا تو چاہے میرے جیسا کم علم اور نا آشنا بھی خط لکھتا کہ آپ کی فلاں رائے صحیح نہیں ہے اور اپنی رائے کے متعلق دلائل دیتا تو غور کرتے اور اگر بات سمجھ میں آجاتی تو اس کو بدل دیتے اور اپنے مذکورہ بالا رسالے میں اس کو شائع کر دیتے اور اس کی بیسیوں مثالیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں تھا کہ صحابہؓ نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور اگر امت کے کبار علماء کرام کا آپس میں اختلاف یکجا کر کے شائع کیا جائے تو اس کی شاید سیکڑوں مجلدات بن جائیں۔ امام اعظم نعمان بن ثابت ملقب بہ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰) امام محمد بن ادریس شافعیؒ، امام مالک بن انسؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے اختلاف ہی کو لیا جائے اس پر آج بھی کتنی بحثیں ہوتی اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور ان چار اماموں کی فقہ پر امت کا اجماع ہو چکا ہے جو مسئلہ ائمہ اربعہ کی فقہ میں نہیں ملتا وہ بے سند ہے۔ ان کی اس جلالت قدر اور عظمت کے باوجود خود انہوں نے اپنے بہت سے مسائل سے رجوع کیا ان کا پہلا موقف اور دوسرا موقف اور وہ مسائل کہ جن سے انہوں نے رجوع کیا ان پر کتب شائع ہو چکی ہیں یہ بحث بہت طویل اور کسی بڑے جید اور

محقق عالم کا موضوع ہونا چاہیے میرے جیسا کم سواد اس پر کیا لکھ سکتا ہے۔ مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم کے حوالے سے ایک بات لکھنا تھی جس پر یہ عجیب و غریب تمہید باندھنا پڑی۔ مولانا مودودی نے ایک کتاب بنام "خلافت و ملوکیت" لکھی جس میں گو ابتدا میں بہت اچھی باتیں ہیں لیکن پھر ان کا اشہب قلم خلفائے راشدین کی طرف مڑ گیا اور کچھ ایسے انداز میں قلم سے باتیں نکل گئیں جو ہر مکتبہ فکر کے اکابر علماء کے نزدیک بہت سخت تھیں البتہ شیعہ حضرات نے اس کی پذیرائی کی لیکن ایک فقرہ ان کے نزدیک بھی متنازع ہے جو حضرت علیؓ کے متعلق لکھا گیا۔ مولانا محمد ضیاء القاسمی چونکہ تنظیم اہل سنت کے ساتھ تعلق رکھتے بلکہ اس کے اہم مبلغین میں سے تھے اور پھر بہت مقبول خطیب تھے لہٰذا انہوں نے اس کتاب پر بہت شدید تنقید کی اور ان کا کوئی جلسہ، کوئی تقریر اس کتاب کی مخالفت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ اس سے عوام میں شدید ہیجان پیدا ہوا۔ مولانا غلام غوث بھی اس بارے میں شمشیر برہنہ تھے اور ایک شدید اختلاف تحریک ختم نبوت ۵۳ء کے متعلق چلا آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد ضیاء القاسمی اس کتاب کو پکڑ کر اور لہرا کر تقریریں کیا کرتے اور کہا کرتے کہ مودودی صاحب نے اپنے کالے منہ والی کتاب میں جو لکھا ہے ہم اس کو برداشت نہیں کر سکتے یاد رہے کہ پہلے ایڈیشن اور شاید بعد والے ایڈیشن بھی سیاہ گرد پوش والے بکس بورڈ کے تھے مولانا قاسمی مرحوم نے پورے ملک میں اتنی تند و تیز تقریریں کیں کہ "خلافت و ملوکیت" کی اچھی خاصی جہاں پبلسٹی ہوئی وہاں اس کے خلاف ایک فضا بھی پیدا ہو گئی۔ ایک دن اچانک اخبارات میں بڑی خبر آئی کہا (غالباً نماز عصر کے بعد اس نام کے نوجوان نے نماز پڑھ کر مولانا مودودی سے معافی مانگی اور ایک لمبا چھرا نکال کر دکھایا کہ ضیاء القاسمی نے مجھے آپ کو قتل کیلئے بھیجا تھا لیکن مجھے آپ کی شکل صورت دیکھ کر اس خیال کو ترک کرنا پڑا اور اب میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں اس ارادہ سے آیا۔ مولانا نے اسے معاف کر دیا اور کہا جس کسی نے بھی آپ کو بھیجا میں اسکو بھی معاف کرتا ہوں میرا اپنا خیال ہے کہ یہ سارا ڈرامہ جماعت کے جذباتی کارکنوں نے مولانا محمد ضیاء القاسمی کو پھانسنے کیلئے بنایا کہ یہ شخص ایسا اعتراف کریگا لیکن قاسمی صاحب پر مقدمہ نہ بن سکا کہ مدعی ایف آئی آر درج کرائے تو پولیس حرکت میں آئے اور یوں یہ ڈرامہ فلاپ ہو گیا۔ پورے ملک میں یہ خبر پھیلی خبر میں چھرے کی لمبائی وغیرہ بھی ظاہر ہو گئی تھی۔ اس کے بعد مولانا قاسمی نے لکڑی کا اتنا لمبا ایک لکڑی کا ڈمی چھرا بنایا اور اسکو پورے پاکستان میں دکھاتے پھرے کہ مجھے کوئی اتنے لمبے چھرے کے ساتھ نماز پڑھ کر رکوع سجدہ اور قعدہ کر کے دکھائے ظالمو! اگر کوئی منصوبہ بنانا تھا تو ایک چاقو بھی کافی تھا جو بٹن دبانے سے فوراً کھل جاتا ہے یا پھر کوئی پستول وغیرہ ظاہر کراتے کہ ان دنوں لیڈروں سیاستدانوں اور مذہبی رہنماؤں کی کڑی نگرانی بھی نہ ہوتی تھی اور نہ ہی چاردیواری میں جانے والوں کی تلاشی لی جاتی تھی خاصے دنوں یہ تماشا چلتا رہا ادھر جماعت والے مولانا کے تحمل، بردباری عفو و درگذر اور معاف کر دینے کا اشتہار دیتے رہے۔ یہ جماعتوں میں چھچھوری اور ہلکی حرکتیں کرنے والے لوگ ہوتے ہیں میں پرسوں ایک آنے والے رسالے جو غالباً ندائے خلافت تھا میں حیدر فاروق مودودی کا ایک طویل بیان پڑھ رہا تھا جو غالباً ندائے خلافت تھا کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مولانا مودودی سے کہا کہ ہر آدمی کو اس کے حصے کے پاگل مل کر رہتے ہیں۔ رسالہ سامنے نہیں مفہوم یہی تھا............ ایک لطیفہ کسی شہر کے متعلق مشہور ہے

کہ دو آدمی اس کے قریب سے گذر رہے تھے اور گفتگو کر رہے تھے کہ اس شہر کے بیوقوف مشہور ہیں ایک شخص ڈیڑھ دو فٹ اونچی دیوار کے بیت الخلاء میں چادر سمیت کر بول براز کرنے میں مشغول تھا اس نے یہ بات سنی تو رنجیدہ ہوا اسی طرح کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اب نہیں ہیں انہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو کہا کہ بیٹھ جاؤ اب بھی ہیں۔

اگر میں یہ کہوں کہ مولانا قاسمی مرحوم کی خطابت کا باقاعدہ آغاز میاں چنوں ہی سے شروع ہوا تو مبالغہ نہیں ہوگا جیسا کہ گذرا کہ میاں چنوں میں میں نے آپ سے ایک ہفتہ لیکر دیہات میں جلسے منعقد کرائے تھے میں ان دنوں ہانسی بس سٹینڈ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امام وخطیب تھا۔ مکتبہ رشیدیہ بھی چلاتا تھا اور ایک ہائی سکول بنام یونین ہائی سکول میں بطور فارسی معلم کام بھی کرتا تھا۔ دن کو ایک دو پیریڈ پڑھاتا چھٹی ہونے پر جہاں جلسہ ہوتا سائیکل اٹھاتا وہاں چلا جاتا صبح کو واپس آ جاتا صحت تھی عمر تھی تھکاوٹ نام کو نہ ہوتی البتہ دن کو نیند آتی تو ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں خالی اوقات میں کرسی پر بیٹھا سو جاتا ویسے بھی میں نیند کا پیارا ہوں اس سکول کی انتظامیہ مسلکاً میرے خلاف تھی انہوں نے سوچا کہ اس کا معاشی مسئلہ تھوڑا سا ہم نے بھی حل کر دیا کہ سکول سے غالباً پچاس روپے مشاہرہ ملتا تھا لیکن یہ پھر بھی اپنی دھن کا پکا ہے اور اپنے مشن میں لگا رہتا ہے یہ بہانہ بنا کر یہ سکول کے اوقات میں سوتا رہتا ہے مجھے سکول سے فارغ کر دیا حالانکہ میں کلاس تو لیتا تھا لیکن یہ تھا کہ جلسوں میں ان کے مسلک کی کلاس قاسمی صاحب لیتے تھے لیکن اس کے بعد اس غم سے آزاد ہو گیا اور کوئی پابندی نہ رہی اور الحمد للہ مسلک کا شہر اور علاقے میں مثبت کام خوب کیا جس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا کیا کروں لکھتے لکھتے ''در مدح خودی گوید'' والی بات ہی آجاتی ہے۔

قاسمی صاحب کے متعلق اب مجھے یہ معلوم نہیں کہ پاکستان آ کر پہلے کہاں قیام کیا ہاں اتنا معلوم رہے کہ لائل پور (اب فیصل آباد) میں ایک علاقے میں چھوٹی مسجد میں خطیب ہو گئے۔ لائل پور ایک انگریز کے نام پر ہے جس نے یہ آباد کیا اور اپنی نوعیت کا پوری دنیا میں منفرد شہر ہے درمیان میں ایک بڑے مینار پر چاروں طرف کلاک لگے ہوئے ہیں اس لیے اسے گھنٹہ گھر کہتے ہیں اس جگہ سے چاروں جانب آٹھ بازار نکلتے ہیں آغاز ظاہر ہے قریب قریب ہے لیکن پھر فاصلہ بڑھتا جاتا ہے کچہری بازار اور ریل بازار اور ایسے ہی چھ اور مختلف ناموں سے بازار کوئی جھنگ بازار ہوگا کوئی بھوانہ اور کوئی اور قیام پاکستان سے قبل میاں فتح اللہ مرحوم (م ۱۹۳۹) مرید میاں شیر محمد شرقپوریؒ نے یہاں ایک بہت بڑی جامع مسجد بنوائی ممکن ہے دیگر لوگوں نے بھی اس میں حصہ ڈالا ہو لیکن کثیر سرمایہ مرحوم نے لگایا پورے پاکستان میں قیام پاکستان سے قبل کی بنی ہوئی مساجد میں کہ جو کسی ایک شخص نے بنائی ہو یہ سب سے بڑی مسجد تھی بڑی مساجد اور بھی ہیں لیکن وہ سب بادشاہوں یا ان کے مقربین کی بنائی ہوئی ہیں۔ (قیام پاکستان کے بعد اب حال ہی میں ایک مسجد جامع مسجد ابراہیم قصور کے راستے میں سک نالے کے قریب ایک شخص نے تعمیر کی ہے جس کا دالان یا ہال شاید ایشیا کی تمام مساجد سے بڑا ہو ۲۵ ہزار افراد کی اس میں گنجائش ہے اور یہ لاہور کا اب تبلیغی مرکز ہے۔) اور اس جامع مسجد میں خطیب حضرت مولانا مفتی محمد یونسؒ ہوتے تھے جو خطیب شہر کہلاتے تھے اور حضرت مولانا فضل علی مسکین پوریؒ سے بیعت تھے رمضان کے چاند اور عید کے چاند کا اسی مسجد میں فیصلہ ہوتا سارے شہر کے علماء اسی جگہ اکٹھے ہوتے اور چاند کی رویت یا عدم رویت کا فیصلہ کر کے اعلان کیا جاتا اور سارا شہر گجر بستی کی عیدگاہ میں انہی کی امامت میں عیدین کی نماز ادا کرتا مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند

کے فاضل تھے حضرت میاں شرقپوریؒ کے ایک مرید باصفا نے "خزینہ معرفت" نامی ایک کتاب آپ کے حالات میں شائع کی اور اس میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا شرقپور آنے اور میاں صاحب کا آپ کو لاری اڈہ پر چھوڑنے کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ ایک محفل میں فرمایا دیو بند میں چار نوری وجود ہیں ان میں ایک شاہ صاحب ہیں۔ لیکن نئے ایڈیشن میں اس ذکر کو خلاف کر دیا گیا ہے۔

حضرت مفتی محمد یونس صاحب قیام پاکستان سے قبل خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسوں میں جایا کرتے اور علمائے دیو بند میں آپ کا خاص مقام تھا۔ ہم لوگ اس وقت کے لائل پور کو جغرافیے میں پڑھتے اور مفتی محمد یونس کے وہاں خطیب شہیر ہونے کا سنتے۔ راقم نے پاکستان آنے پر سب سے پہلے بڑا شہر لائل پور دیکھا گو ہم مشرقی پنجاب سے ترک سکونت کر کے پیدل لاہور آئے لیکن والٹن کیمپ میں دو چار روز گذار کر وہیں سے چھانگا مانگا کے قریب ایک چک میں چلے گئے لاہور نہیں دیکھا۔ لائل پور میں گھنٹہ گھر دیکھا تو اس کی عظمت سی دل میں پیدا ہوئی اور پھر لائل پور کا ذکر آنے سے گھنٹہ گھر اور اس کے آٹھوں بازاروں کا نقشہ سامنے آجاتا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کو تقریر کرتے ہوئے جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ انہیں عوام کو عوام کی بولی ٹھولی میں اپنی بات سمجھانے کا اللہ تعالیٰ نے کس قدر سلیقہ اور ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ایوب خان مرحوم نے اپنے دور میں ایک آئین بنایا۔ مولانا جالندھریؒ اسکو لائل پور کے گھنٹہ گھر سے تشبیہ دیا کرتے کہ یہ آئین ایسا ہے کہ جس جانب سے بھی دیکھو ایوب خان ہی سامنے آتے ہیں یعنی سارے اختیارات کا مرکز خود ایوب خان ہیں اور پھر مزاحاً فرماتے کہ جس طرح لائل پور میں جس بازار سے بھی شہر میں داخل ہوں آخر کار گھنٹہ گھر پہنچ جائیں گے اور ایک مثال اور دیا کرتے کہ ایک چور کسی باغ میں چوری کرنے کے لئے آیا لیکن اس کو باغ کا چوکیدار مل گیا اس نے کہا کہ اس سے ساز باز کر کے اسکا حصہ مقرر کر لو اور چوکیدار سے یوں معاملہ طے کیا کہ میں جتنے سیب توڑوں گا۔ وہ ہمارے آدھے اور پھر تمہارے حصہ سے ایک میرا اور اس کے بعد چور باغ میں گیا اور دو سیب توڑے، ایک چوکیدار کو دے کر معاہدے کے مطابق پھر واپس لے لیا ایسا ہی ایوب خاں نے کیا ہے کہ ایک ہاتھ آئین میں عوام کو حقوق دیئے اور دوسرے ہاتھ سے واپس لے لئے۔

مولانا قاسمی مرحوم اپنی خطابت کے آغاز میں توحید وسنت، رد رفض وبدعت اور تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے لگے۔ مولانا غلام اللہ خاں سے توحید کی اشاعت، مولانا قاری لطف اللہ اور تنظیم اہل سنت سے وابستگی کی بناء پر دفاع صحابہؓ کا کام اور مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے زعماء سے ربط کی بناء پر رد قادیانیت اور مرزائیت کو قاسمی مرحوم نے زندگی بھر کا مشن بنالیا اور اس کے لیے زندگی وقف کر دی جوانی میں ان کے موقف اور انداز میں بہت سختی اور شدت، کام کی دھن اور لگن تھی صبح کہیں شام کہیں پروگرام ہوتا اور یوں ملک کے گوشے گوشے اور کونے کونے سے آپ کو دعوت آنے لگی اور ابتداء میں سواری کی اتنی سہولت نہ تھی لہذا پرانی بسوں، تانگوں اور سائیکلوں پر سفر ہوتا صحت اچھی اور اعصاب مضبوط تھے لہذا کسی تھکن تھکاوٹ کا احساس لئے بغیر کام کرتے رہے۔ آخری عمر میں طبیعت میں اعتدال اور انداز مثبت ہو گیا تھا۔

ایوب خان مرحوم کے دور میں آپ کے استاد حضرت مفتی محمود بی ڈی نظام میں ایم این اے اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ ایم پی اے منتخب ہوئے۔ ان دنوں صوبے ختم کر کے ون یونٹ بنا دیا گیا تھا اور جمعیت علماء اسلام کا سیاست میں بہت واضح کردار تھا

مولانا غلام غوث ہزاروی قیام پاکستان سے قبل مجلس احرار اسلام میں کام کر رہے تھے اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ کا نمایاں کردار تھا لیکن اس کے بعد جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی امارت اور حضرت مفتی محمود کی نظامت میں خاصی فعال ہو گئی تو قاسمی صاحب اپنے استاد حضرت مفتی محمود کی وجہ سے جمعیت علماء اسلام میں بھی فعال حصہ لینے لگے لیکن سیاسی طور پر آپ نمایاں نہیں ہوئے کہ آپ کا اصل موضوع تو حیدوسنت ہی رہا لیکن سیاست میں حصہ لیتے رہے اور مفتی محمود جب سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تو پشاور میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا تو قاسمی صاحب سٹیج پر نمایاں ترین فرد کے طور پر کام کر رہے تھے۔ لیکن سیاست میں آپ اس طرح چل نہ سکے کہ ہر شخص کا خصوصی میدان ایک ہی ہوتا ہے۔ جامع الصفات اشخاص بہت کم ہوتے ہیں لیکن جیسا کہ شروع ہی میں کسی جگہ لکھ چکا ہوں گذشتہ صدی کے نصف اول کے بڑے خطباء زعماء اور علماء اکثر و بیشتر جامع الصفات تھے۔ تاہم آپ اب ملک میں نمایاں سربرآوردہ اشخاص میں شامل ہو گئے بعد میں مفتی محمود اور مولانا غلام غوث میں اختلاف ہو گیا اور قاسمی صاحب نے اپنے استاد کی بجائے مولانا غلام غوث کا ساتھ دیا۔ یہیں ایک بات کرنا ضروری ہے کہ بھٹو مرحوم نے جب ایوب خاں سے علیحدہ ہو کر پیپلز پارٹی بنائی تو اسکا نعرہ اسلام ہمارا دین۔ سوشلزم ہماری معیشت، روٹی کپڑا اور مکان ہماری سیاست تھا اور زیادہ زور روٹی کپڑا اور مکان پر تھا تو اس پر ملک کے علماء نے سوشلزم کو کفر قرار دیا اور میں نے یہاں لاہور میں ایک اشتہار دیکھا جس میں چار افراد یا علماء کے نام نمایاں تھے۔ مولانا عبدالرحمن اشرفی اور مولانا کوثر نیازی کا نام مجھے یاد ہے لیکن مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی نے بھٹو کی اس تحریک کی مخالفت نہ کی بلکہ مفتی محمود نے بھٹو کے دفاع میں ایک زبردست بیان دیا جس کو اخبارات نے بڑی کوریج دی اور آغا شورش کاشمیری نے مفتی محمود کو زبردست خراج عقیدت ادا کیا اور کہا کہ ہم اس وقت جبکہ تمام نام نہاد علماء سوشلزم اور بھٹو کے خلاف ہو گئے ہیں اپنے بھائی مفتی محمود کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے سرمایہ داری کے محافظ علماء کا ساتھ دیا اور بھٹو کی حمایت کی (مفہوم) مفتی محمود نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ بھٹو کے سوشلزم پر اس لئے ہمارے ملک کے بھی لوگ کیا علماء کیا سرمایہ دار و جاگیردار برہم ہیں کہ بھٹو نے غریب کے حقوق کا نعرہ لگایا ہے ہم نے ہمیشہ غریبوں کا ساتھ دیا اور انگریز کے پروردہ سرمایہ دار زمیندار اور جاگیرداروں کی مخالفت کی ہے بھٹو کی حمایت کرتے ہیں۔ ایک انٹرویو میں کہا کہ اگر کوئی شخص مارکس اور لینن کے نظریے کو اسلامی سوشلزم سے تعبیر کرتا ہے تو وہ اسلامی تعلیمات کی تکذیب کرتا ہے اور اگر اسلامی سوشلزم کا نام لیتا ہے تو یہ شخص کافر تو قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ تعبیر کی غلطی کا شکار ضرور ہے کیونکہ اسلام تعبیرات اور اصلاحات میں بھی خود کفیل ہے اور کسی غیر ملکی اصطلاح کا محتاج نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آغا شورش جب ایوب خان کی قید سے رہا ہوئے اور چٹان کا ڈیکلریشن بحال ہونے پر آغا مرحوم نے ۲۰×۳۰-۲ سائز پر چٹان کا ضخیم شمارہ نکالا تو اس میں ذوالفقار بھٹو کی سب سے نمایاں پورے قد کی تصویر تھی۔ ملک دولخت ہو گیا یحییٰ خان کے خلاف لوگ سڑکوں پر نکل آئے بھٹو کی پیپلز پارٹی کو مغربی پاکستان میں بہت واضح اکثریت ملی تھی اور اسی وجہ سے بھٹو صاحب چاہتے تھے کہ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان دونوں کی کنفیڈریشن ہو یعنی مجیب الرحمن پورے ملک کا وزیر اعظم نہ بنے کہ اسکی پارٹی کو عددی اکثریت تھی اور پھر مغربی پاکستان سے جواب پھر صوبوں میں منقسم تھا سرحد اور بلوچستان میں جمعیت علماء اسلام اور عوامی نیشنل پارٹی (عبدالولی خان کی پارٹی) کامیاب ہوئی تھی اور یہ لوگ مجیب الرحمن کا ساتھ دے رہے اور پاکستان کو متحد رکھنے

کے حامی تھے لیکن خوبیٔ تقدیر سے پنجاب اور سندھ سے بھٹو کو بہت بھاری اکثریت مل چکی تھی لہٰذا بھٹو کی خواہش ہوئی کہ اسکو نمایاں مقام حاصل ہو مجیب الرحمٰن کہتے تھے کہ اسمبلی کے اجلاس میں فیصلہ کریں گے۔ اب حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ سے سب کچھ عیاں ہو گیا ہے ملک کیوں اور کیسے ٹوٹا۔ ملک دولخت ہونے پر پہلے بھٹو سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے پھر صدر اور اس کے بعد وزیر اعظم اور سرحد و بلوچستان میں جمعیت علماء اسلام کے تعاون سے وزارت بنتی تھی۔ مفتی محمود مرحوم عبد الولی خان کے ساتھ مل کر وزارت بنانا چاہتے تھے لیکن مولانا غلام غوث ہزاروی عبد القیوم خان کے تعاون سے سب کام کرنا چاہتے تھے اور عبد القیوم خاں نے ایک سادہ کاغذ پر دستخط کر کے دیئے ہوئے تھے کہ جو شرائط چاہے لکھ لیں میں آپ کے ساتھ تعاون کرتا ہوں مفتی محمود کی سیاسی بصیرت یہ کہتی تھی کہ عبد القیوم خان اقتدار کے سامنے جھکتا اور اقتدار ملے تو آمر بنتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں مولانا غلام غوث، عبد الولی خاں کے رویے سے نالاں ہوئے کہ انتخابات میں عورتیں ووٹ نہیں ڈالیں گی لیکن قومی انتخابات ہوئے تو جمعیت کو واضح اکثریت حاصل ہوئی اگر اسی معاہدے کے مطابق صوبائی انتخابات ہوتے تو اکیلے وزارت بنا سکتے۔ سرحد میں کولیشن وزارت بنا تھی اور بلوچستان میں ان کی پارٹی کی اکثریت تھی وہاں ضرورت نہ تھی۔ مفتی محمود کا خیال تھا کہ اگر عبد الولی خان کیساتھ معاہدہ ہوتا ہے تو دونوں صوبوں میں وزارت میں حصہ ملتا ہے لیکن عبد القیوم کے ساتھ صرف سرحد میں اور عبد القیوم خاں کی فطرت سے بھی واقف تھے بس اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا اور یوں ایک دوسرے کی جدائی عمل میں آ گئی مفتی محمود سرحد کے وزیر اعلیٰ بن گئے۔ اور عبد الولی خاں کی پارٹی کے گورنر بلوچستان میں وزارت و گورنری دونوں نیشنل عوامی پارٹی کی تھیں کہ میر غلام غوث بزنجو گورنر اور عطاء اللہ مینگل وزیر اعلیٰ بنے۔ اس کے بعد بھٹو نے عبد القیوم خاں کو وزیر داخلہ بنا لیا اور دونوں شاطر سیاستدان آپس میں مل گئے بھٹو کو اقتدار میں مزہ آیا اور اس نے ایک بہانہ بنا کر بلوچستان کے گورنر کو سبکدوش کر دیا اگلے ہی لمحے مفتی محمود نے وزارت اعلیٰ سے استعفیٰ دے دیا گو بھٹو نے بہت لالچ دیا لیکن مفتی محمود نے کہا کہ ہم اپنے حلیف کا ساتھ دیں گے اور آپ کا یہ اقدام درست نہیں ہم وزارتوں کے بھوکے نہیں اصول پسند لوگ ہیں۔ بھٹو نے مولانا کوثر نیازی کو پہلے مشیر اطلاعات پھر وزیر اطلاعات بنا دیا۔ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ بھٹو کے سوشلزم کے خلاف فتویٰ کے محرک اور داعی کوثر مرحوم تھے۔ لیکن بعد میں پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے اور یحییٰ خان کی حکومت نے گرفتار کر لیا اور کوثر نیازی جیل میں تھے کہ ۷۰ء کے انتخابات ہوئے اور مرحوم نے جیل ہی سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر سیالکوٹ سے انتخاب لڑا اور مغربی پاکستان میں یا شاید پنجاب میں سب سے زیادہ ووٹ لئے اور لاہور میں جمعیت علماء اسلام کی آئین شریعت کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”آپ خوش قسمت ہیں آپ اس قافلے سے تعلق رکھتے ہیں جو بدر و احد سے ملتا ہوا میدان کربلا اور پھر بالاکوٹ پہنچا آپ کے سالار قافلہ حضرت درخواستی ہیں جن کی بات اللہ تعالیٰ کے حضور بہت بڑا درجہ رکھتی ہے آپ لوگ مفتی محمود کی رکاب تھامے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے فتوے کی قیمت کبھی وصول نہیں کی بلکہ وہ محمود بن کر سومنات کے بت کو پاش پاش کر رہا ہے (ماہنامہ تبصرہ لاہور اگست ۱۹۷۰ء) بات سے بات نکلتی چلی آتی ہے کوثر نیازی مرحوم بہت ذہین زیرک تھے غالباً میٹرک میانوالی یا لاہور سے کرنے کے بعد جماعت اسلامی میں شریک ہو گئے اور مولانا مودودی کے خاص مقربین اور معتمد علیہ افراد سے تھے اگر یہ کہا جائے کہ سید مودودی

نے انہیں اوروں سے زیادہ عزیز رکھا تو غلط نہ ہوگا مولانا نعیم صدیقی اور کوثر مرحوم کی جوڑی مشہور تھی لیکن جماعت اسلامی سے بڑے لوگ نکل گئے آخر میں مولانا نعیم صدیقی نکلے اور اب سن یاد نہیں ساٹھ کے عشرے میں کوثر نیازی نکل گئے اور اپنے پرچے ''شہاب'' میں بہت کچھ جماعت کے خلاف لکھا اور ایک کتاب لکھی جس میں بانی جماعت کو خطاب تھا اور میرے خیال میں جن لوگوں نے سید مودودی کے خلاف لکھا ان میں سب سے عام فہم کتاب مولانا کوثر نیازی کی ہے۔ بات طویل سے طویل تر ہو رہی ہے پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف جو محاذ بنا اس کے سربراہ مفتی محمود بنے اور جب بھٹو صاحب مذاکرات پر آمادہ ہوئے تو پیپلز پارٹی کی جانب سے جو تین آدمی ان مذاکرات میں شریک تھے وہ بھٹو۔ کوثر نیازی اور پیرزادہ عبدالحفیظ تھے۔ پی این اے کی جانب سے مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خاں اور پروفیسر غفور احمد تھے اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بھٹو مرحوم کو کوثر نیازی مرحوم کی ذہانت پر کتنا اعتماد تھا۔ گذشتہ سطور میں کوثر نیازی مرحوم قارئین شریعت کانفرنس میں مفتی محمود کو خراج عقیدت نقل کیا گیا ہے لیکن ضیاء الحق مرحوم نے جب نوے دن کے اندر انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو لاہور ناصر باغ میں نصرت بھٹو (اور غالباً بے نظیر بھی اس میں موجود تھیں) اس میں کوثر مرحوم نے انتخابی تقریر کی جو اگرچہ انتخابی تقریر کے لحاظ سے بہت عمدہ تھی لیکن اب مفتی محمود سومنات کے مندر ڈھائے جانے والے محمود کی جگہ ابرہہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کیلئے آیا تھا (اس کے سب سے بڑے ہاتھی جو سفید رنگ کا تھا اور اسکا نام محمود تھا) وہ محمود بن گئے تھے۔ کوثر مرحوم سے میرا تعلق ۶۳ سے تھا (میرا ایک مکتوب حرمین سے لکھا ہوا ہفت روزہ شہاب میں شائع ہوا تھا) اور آخری وقت تک رہا۔

وزارت اعلیٰ بنانے میں کہ کس سے مل کر بنائی جائے اس میں جیسا کہ ذکر ہوا مولانا غلام غوث کا مفتی محمود سے اختلاف ہوا مولانا غلام غوث کی ترجیح عبدالقیوم خاں تھے لیکن عبدالقیوم خاں نے بھٹو صاحب سے مل کر مشرقی پاکستان کے بارے میں جو کردار ادا کیا وہ انتہائی شرمناک تھا اور یہ صاحب وہ تھے کہ جنہوں نے ایوب خاں کے مارشل لاء سے پہلے پچیس میل کا جلوس نکالا اور موچی دروازے میں جلسہ کر کے زبردست تقریر کی وہ زبردست مقرر و خطیب تھے میں نے یہ تقریر سنی کہ راقم ان دنوں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں لاہور آیا ہوا تھا تقریریں سننے کا لپکا اور چسکہ تھا تقریر سن کر حضرت کی قیامگاہ پر جو گورنر ہاؤس کے شمالی گیٹ کے ساتھ حاجی عبدالمتین کی رہائش گاہ پر تھی گئے تو پولیس حکام کی دوڑ بھاگ دیکھی اندازہ ہوا کہ یہ عبدالقیوم خاں کی گرفتاری کیلئے ہے اور صبح اخبارات میں خبر آئی کہ قیوم خاں کو گرفتار کر لیا گیا ہے پچیس میل کا طویل جلوس نکال کر موچی دروازے میں حکومت کے خلاف زبردست تقریر کی بناء پر گرفتاری کے چند دن بعد کاغذ کے چند انچ کے پرزے پر آنکھوں کی بیماری یا کسی اور بہانے سے معافی مانگ کر جیل سے نکل آئے۔ قیام پاکستان سے قبل کانگریس میں تھے ہوا کا رخ دیکھ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور قیام پاکستان کے بعد جب گورنر جنرل محمد علی جناح کے حکم سے ڈاکٹر خاں (عبدالولی خاں کے تایا) کی حکومت سرحد سے ختم کی گئی تو سرحد کے وزیر اعلیٰ بن گئے قائداعظم کی پشاور آمد تھی اور عبدالغفار خاں سے ملاقات طے تھی لیکن ان صاحب نے زہر گھولا کہ اگر یہ ملاقات ہو گئی اور افہام و تفہیم ہو گئی تو میں مارا جاؤں گا کہ بھابڑا میں خدائی خدمتگاروں پر گولی چلا کر پچاسوں افراد مار دیئے تھے اور بقول کسے اس میں لیاقت علی خاں کا مشورہ بھی شامل تھا کہ ایک موقعہ پر جب لیاقت علی مرحوم سے پوچھا گیا کہ

عبدالغفار جیسے عوامی خدمت کا جذبہ رکھنے والے سے صلح کیوں نہ کی تو انہوں نے فرمایا کہ ایک قائداعظم کے بعد دوسرا قائداعظم بن جاتا یہ ہم کو کب گوارا ہوتا یاد رہے کہ قائداعظم جب بحیثیت گورنر جنرل مرض الموت میں زیارت (کوئٹہ) سے کراچی ماری پور کے اڈے پر پہنچے تو کوئی ان کے استقبال کے لیے موجود نہیں تھا اور پھر گاڑی شاہراہ فیصل پر خراب ہوگئی تو کتنا عرصہ پاکستان کے بانی بے یار و مددگار وہاں پڑے رہے اور اس سے قبل لیاقت علی خان زیارت اپنے قائداعظم اور گورنر جنرل کو چودھری محمد علی مرحوم کیساتھ ملنے گئے تو قائداعظم نے مس فاطمہ جناح سے کہا کہ فاطمی یہ دیکھنے آئے ہیں کہ میری زندگی کتنی باقی ہے۔ یہ سب تلخ حقائق اخبارات میں آچکے اور کتب چھپ چکی ہیں۔.................خاں قیوم نے اپنے کانگریس کے زمانے میں ایک کتاب لکھی تھی جو قیام پاکستان کے بعد عبدالقیوم خاں نے بحیثیت وزیر اعلیٰ ضبط کرلی یہ گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں لکھی جانی والی بات ہے کہ کسی نے اپنی ہی کتاب کی ضبطی کے آرڈر دیے ہوں۔ تو مفتی محمود ایسے شخص سے مل کر وزارت اعلیٰ نہیں بنا سکتے تھے لہذا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث کے راستے جدا جدا ہوگئے اور پھر کبھی آپس میں ملاقات نہیں ہوئی۔ مولانا کوثر نیازی بہت ذہین تھے انہوں نے مولانا غلام غوث کو بھٹو سے ملایا اور اس میں شک نہیں کہ بھٹو نے مولانا کی بہت قدر کی ہمارے قاسمی مرحوم کے بھی مولانا کوثر نیازی سے دیرینہ مراسم تھے ان کو اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر بنالیا گیا۔ میں چونکہ تھوڑا بہت مطالعہ کرنے کا عادی ہوں قاسمی صاحب مجھ سے اسلامی نظریاتی کونسل میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق کتب کا دریافت کرتے رہتے تھے اور تین دفعہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بنے اور ہیٹ ٹرک کی۔

قاسمی صاحب نے سیاست میں اتنا حصہ نہ لیا بلکہ تبلیغ دین، اشاعت کتب وسنت اور رد رفض و بدعت میں زندگی گذاری اور اب آخر میں تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں اپنے جامعہ میں انٹرنیشنل ختم نبوت اکیڈیمی قائم کر کے ہر سال کے ڈیڑھ دو ماہ میں ختم نبوت کے موضوع پر علماء کا تربیتی کورس کراتے تھے۔ برطانیہ میں انٹرنیشنل تحفظ ختم نوبت کے نام سے لندن میں سالانہ جلسہ بھی کراتے اور اس کے لئے اپٹن پارلندن کے علاقے میں دفتر کے لئے ایک جگہ بھی خرید لی تھی جس میں تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرنے کا ارادہ تھا اور سالانہ جلسہ تو تین چار سال سے لندن میں کر رہے تھے اور اس سے قبل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے پلیٹ فارم پر کام کرتے تھے ایک دفعہ میں بھی برطانیہ گیا ہوا تھا اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے لئے برطانیہ کے تمام اہم شہروں کا دورہ کر کے برمنگھم کی جامع مسجد میں مسلمانوں کو آنے کے لئے ہم دونوں نے کام کیا۔ لیکن غیور قسم کے انسان تھے عام جلسوں میں اور تقریر میں چندہ کرنے کا فن نہ آتا تھا۔ ایک دن یہاں لاہور میں مکتبہ رشیدیہ تشریف لائے اور اپنی فیصل آباد والی اکیڈیمی کا ذکر کیا اور اتنا کہا کہ ان ڈیڑھ دو ماہ میں علماء (برائے تربیت) کے قیام و طعام کا ایک لاکھ خرچ کا اندازہ ہے میں نے فوراً ایک ہزار روپے پیش کیے تو کہنے لگے کہ ارشد مجھے چندہ کرنے کا فن نہیں آتا برطانیہ میں بہت علماء جا کر چندہ اکٹھا کرتے ہیں مگر میری طبیعت اس سے ابا (انکار) کرتی ہے ایسا انتظام کرتا ہوں کہ اپنے ہی ملک سے اپنے سو بے تکلف دوستوں کی فہرست بنا کر ان کے ذمہ ایک ایک ہزار روپیہ کر دونگا کہ تم خود ہی سالانہ بھیج دیا کرو میں مانگنے نہیں آؤنگا البتہ اکیڈیمی کے کوائف و نتائج بھیج دیا کرونگا راقم کا مشاہدہ و تجربہ تو یہی ہے کہ اپنی تقریر کی وڈیو کیسٹ بنانے اور بیچنے کا شوق نہیں تھا البتہ آڈیو کیسٹیں لوگ از خود بنا لیتے اور بازار میں عام کرتے ہیں چند سال

نکل خطبات قاسمی کے نام سے اسلامی موضوعات پر جمع کر کے شائع کرایا جس کی بازار میں اچھی شہرت اور طلب ہے اور آپ جامع مسجد میں جمعہ کے لئے تیاری کرتے اور اندرون ملک ہوتے تو کم ہی ناغہ کرتے اگر پہلے ہی دن سے جمعہ کے خطبات کی اشاعت کرتے تو شاید یہ جلدیں پچاس ساٹھ ہوتیں یا اس سے بھی زائد بن جاتیں۔

توحید اور رد رفض و بدعت خصوصاً توحید پر قرآن پاک کو کھل کر بیان کرنا اور لوگوں کے دل و دماغ میں منتقل کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے لیکن توحید باری تعالیٰ کے دل میں راسخ ہو جانے سے ماسوائے اللہ کا خوف دل سے نکل جاتا ہے اور پھر جب کوئی طمع یا لالچ نہ ہو اور بیان کرنے والا جانتا ہو کہ اسکو اس پیرائے میں بیان کیا جائے کہ جو اسکا ہے یہ بات انسان اور موحد میں جرأت اور شجاعت پیدا کرتی ہے کہ

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ

اور

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

یعنی آدمی خوددار ہو تو اسکی خودی یعنی تیغ کو لا الہ الا اللہ کی سان (چھری کو تیز کرنے والا آلہ) تیز کرتی ہے ایسا آدمی کٹ تو سکتا ہے لیکن اس میں توحید کے معاملے میں کوئی لچک یا مصلحت نہیں ہوتی موحد کے پاؤں میں چاہے دنیا بھر کی دولت ڈھیر کر دی جائے یا سر پر تلوار رکھ دی جائے تو وہ کلمہ حق و توحید بلند کرتا رہتا ہے۔ قاسمی مرحوم کے شیخ القرآن، مولانا غلام اللہ خاں کو ایک مجمع میں ایک گمراہ نوجوان نے بڑھ کر لنا کر استرا پھیرا اور ایک جگہ بیان کیلئے گئے تو لوگ بندوقیں تانے ہوئے ایک قصبہ میں مولانا کے مخالف کے جلسہ میں موجود تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مولانا غلام اللہ خان تقریر کرنے نہیں آئیں گے کہ پہلے سے بتا دیا گیا تھا لیکن مولانا نے کہا توحید کو بیان کرنے کا اصل حق تو آج ادا ہوگا اور جا کر اپنے لوگوں میں تقریر شروع کر دی دونوں جلسے قریب قریب تھے مخالف کے جلسے کے بندوقوں والے اور سامعین مولانا کی تقریر کے تاثر سے اکثر ادھر آ گئے تو مولانا پر وجد کی حالت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ توحید بیان کرنے کا مزا تو آج آ رہا ہے۔

خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ

مندرجہ بالا آیات میں یہ بات کتنے واضح انداز میں کہی گئی ہے لیکن اسکے باوجود توحید کا بیان کرنا آسان کام نہیں اسی کام کے لئے تقریباً کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام انسانوں کی طرف بھیجے گئے قرآن مجید پڑھ کر دیکھئے کہ اس میں اٹھارہ اولوالعزم انبیاء و رسل کا ایک رکوع میں ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولو اشرکو الحبط عنھم ما کانوا یعملون (انعام) وہ اگر شرک کرتے تو ان کے تمام اعمال ضائع کر دیے جاتے .... اور شرک ایک ایسا فعل ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائیں گے۔

ان اللّٰہ لایغفر ان یشرک بہٖ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء بے شک اللہ نہیں بخشتا کسی کو اور بخشتا ہے اسی کو جسے چاہے۔ النساء آیت نمبر ۴۸

اب ایک دوسری آیت پڑھیے:۔

انہ من یشرک باللّٰہ فقد حرم اللّٰہ علیہ الجنۃ و ماوئہ النار (مائدہ آیت ۷۲) بے شک جس نے اللہ کیساتھ شریک ٹھہرایا یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے............ شرک جلی کرنیوالا خدا کا باغی ہے اور باغی کی سزا یہ ہے کہ اس کے سارے اعمال غارت کردیے جائیں۔

وجود انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مظاہر قدرت کی پرستش کرتا اور ان کی نذرونیاز ان کے نام سے دیتا اور ان سے مرادیں مانگتا ہے۔ پورے قرآن مجید کو پڑھ جایئے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت کا مقصد نوحی الیہ انہ لا الہ انا فاعبدون۔ ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الہ (عبادت کے لائق) نہیں۔ پس میری عبادت کرو۔

یہی چیز قاسمی مرحوم کو اپنے شیخ سے ورثے میں ملی تھی اور خوب کھل کر بیان کرتے اور کسی کا ڈر یا خوف نہ ہوتا کہ والد لدھیانے کے جری شیخ کے مرید خود شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے مرید اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خوشہ چیں تھے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد فیصل آباد میں مجلس احرار اسلام نے کانفرنس کی جس میں سید عطاء اللہ شاہ اور آغا شورش کی تقریروں نے آگ لگادی تھی قاسمی مرحوم اس جلسے میں سرخ وردی پہن کر شریک ہوئے جبکہ ان کا یہ بچپن تھا پھر شیخ القرآن اور حضرت مفتی محمود سے حدیث وقرآن کا فیض حاصل کیا۔ اور مولانا غلام غوث ایسے مرد قلندر کی صحبت ورفاقت میں وقت گذارا اس کو کسی سے کیا خوف ہوسکتا تھا۔ اس آخری وقت میں سپاہ صحابہ قائم کرنے والے مرد حق مولانا حق نواز جھنگوی شہید کی جماعت کے سرپرست تھے۔ جس کی بناء پر پاکستان کے مقتدر حضرات سے ملنے اور گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا تو ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر برابری کی سطح پر بات چیت ہوتی اور میاں نواز شریف سابق وزیر اعظم کے دور میں ان سے ملاقات میں تو ان کے قدوقامت اور حسن سراپا کا مذاق اڑاتے ہوئے بات کرتے۔ آخری عمر میں مزاج میں زیادہ تحمل اور وقار آگیا تھا ملی یکجہتی کونسل کے ممبر تھے اور یوں ملک کی مذہبی مثبت جماعتوں کے سربراہوں سے بارہا ملنے کا موقعہ ملا اپنے موقف کو بڑی جرأت سے پیش کیا اور قائدانہ صلاحیتوں سے خوب کام لیا کہ اپنے آخری دور میں اوپر کی سطح کے حضرات سے تعلق رہا۔ سردار احمد چتائی مرحوم بانی تنظیم اہل سنت کی حکمت وتدبر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور خطیب پاکستان قاضی احسان اور شجاع آبادی کی جرأت وشجاعت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا یوں سیڑھی بہ سیڑھی ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ جہاں دنیا ہیچ نظر آتی اور موت سامنے دکھائی دیتی ہے۔

اس آخری عمر میں انہیں یہ بہت احساس تھا کہ کسی احسانی کیفیت کے مرد صالح کے ساتھ تعلق پیدا ہونا چاہیئے گذشتہ سے پیوستہ سال برطانیہ میں ہماری چند ملاقاتیں رہیں ایک ملاقات میں کہا کہ میرا بیعت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے تھا لیکن افسوس کہ وہ میری بیس سال کی عمر میں رحلت فرما گئے میں اب محسوس کرتا ہوں کہ کسی شیخ سے تعلق پیدا کروں کہ دنیا میں بہت کچھ دیکھ لیا میں نے عرض کیا کہ بیعت اور نسبت آپ کی بہت اونچی ہے ضابطہ کا تعلق تو وہی رہے لیکن رابطہ

حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ سے پیدا کریں۔ اور میں نے حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ سے یہ عرض بھی کر دیا کہ قاسمی صاحب سے میری یہ بات چیت ہوئی گذشتہ سال کے شروع میں مکتبہ رشیدیہ تشریف لائے کہ ملی یکجہتی کونسل کی میٹنگ سے فارغ ہو کر منصورہ سے واپس فیصل آباد جا رہے تھے راستہ یہی تھا پھر برطانیہ والی بات دہرائی میں نے بھی وہی بات عرض کی کہ مانچسٹر میں، میں نے اپنا مشورہ عرض کر دیا تھا اور حضرت شاہ صاحب مدظلہ سے بھی میں نے آپ کی خواہش اور اپنے مشورے کا ذکر کر دیا تھا اب عمل آپ نے کرنا ہے اور گذشتہ شعبان میں آپ نے ان سے رابطہ پیدا کر لیا اور مجھے اس بات کا یوں علم ہوا جیسا کہ ذکر ہوا جب قاسمی مرحوم کا انتقال ہوا اور میں نے شاہ صاحب سے فون پر پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تقریباً ایک گھنٹہ قبل ان کے صاحبزادے مولانا زاہد محمود قاسمی کا فون آیا تھا انہوں نے حادثے کی اطلاع دی اور کہا کل میں فیصل آباد آؤں میرا علی الصبح نکلنے کا خیال ہے۔ اور نماز جنازہ کا اعلان کرتے یہ اعلان ہوا کہ قاسمی مرحوم کے شیخ حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ نماز جنازہ پڑھائیں گے کہ اس شعبان میں انہوں نے سید صاحب سے بیعت کر لی تھی۔

گذشتہ سال ۱۱۸ کتوبر کو جامعۃ المنظور میں خطاب سے پہلے ان سے میری ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ دوست احباب کہتے ہیں کہ اپنی یادداشتیں قلمبند کرو لیکن میں سوچتا ہوں کہ اس میں کچھ تلخ یادیں بھی ہوں گی۔ میں نے عرض کیا یہ کام ضرور ہونا چاہیے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر بچی بات لکھی جائے ہاں یہ ضرور ہے کہ جو بات لکھو وہ ضرور سچ ہو کہنے لگے تمہاری یہ بات درست ہے لکھنا شروع کرتا ہوں اور تجھے دکھاؤں گا جو چاہے قلم زد کر دینا۔ معلوم نہیں تھا کہ ان سے میری یہ آخری ملاقات ہے اور مجھے ان کے متعلق اپنی یادداشتیں قلم بند کرنا پڑیں گی اور وہ ہم سے دور بہت دور چلے جائیں گے کہ وہاں جا کر ہی ملاقات ہو سکے گی۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب، قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ایک جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما (اے نبی) ان سے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں الٰھکم الہ واحد (سورۃ الکھف آخر) (ہاں اتنا فرق ہے) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ سوا اس کے نہیں ہے کہ تمہارا اللہ ایک ہی اللہ ہے۔

اب اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کی کسی قدر وضاحت ہے کہ گوشت پوست کا انسان ہونے اور ولد آدم ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں اور پھر فرمایا کہ ہاں مجھے اللہ نے اس کام کے لیے چن لیا کہ تم کو (صاف صاف بتاؤں) کہ تمہارا اللہ ایک ہی اللہ ہے اسکی عبادت کرنا کسی اور کی نہیں۔ میں ابتدا میں میاں چنوں میں مقیم ہوا ایک مولوی صاحب آئے انہوں نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ لوگ اس سے بشریت ثابت کرتے ہیں اس میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اے نبی! تو کہ...... ہمیں تو نہیں کہا گیا کہ ہم بھی کہیں سنو اور غور سے سنو اور ان وہابیوں گلابی وہابیوں کو جواب دو کہ باپ اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ تو اپنی والدہ کو ماں کہ اب اگر بیٹا مطالبہ کرے کہ اباجی آپ بھی والدہ کہیں تو کیا درست ہوگا ہرگز نہیں شوہر اگر بیوی کو والدہ کہے تو قرآن مجید پڑھو کہ اسکا کیا حکم ہے

اسے ظہار کہتے ہیں۔ ایسے خاوند کو ایسا کہنے پر قرآن سزا کا اعلان کرتا ہے............ اب ان پڑھ اور معتقد لوگ مولانا صاحب کی تقریر پر کہتے ہیں سبحان اللہ حضرت صاحب پر سمجھانا ختم ہے، ہے کوئی جو اسکا جواب دے؟............ اگلے دن میں ایک صاحب کے پاس گیا اور ان سے بات کی کہ یہ کیا طریق افہام ہے تو وہ کہنے لگے ٹھیک تو ہے باپ اگر بیٹے کو کہتا ہے کہ بیٹا ماں کو ماں جی کہا کرو تو کیا بیٹا بھی والد کو کہے کہ پھر تم بھی میری والدہ کو پیار سے ماں جی کہا کرو ٹھیک تو ہے اس میں کیا برائی ہے؟

اب وہ صاحب اتنا قرآن پاک تو پڑھے ہوئے نہیں تھے کہ میں ان کو وہ تمام آیات پڑھ کر سناتا کہ جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "قل کہ کر اے نبی کہدے" مخاطب کر کے بہت ہدایات دی گئی ہیں اور اکثر ان میں ایسی ہیں کہ جن میں ان حضرت کے مزعومہ عقائد و اوہام کی تردید ہے۔ لیکن سورۃ اخلاص قل ھو اللہ تو سب کو آتی ہے میں نے کہا کہ قل کا لفظ قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے وہ تو بیان نہیں کرتا۔ صرف وہ سورۃ پڑھتا اور بیان کرتا ہوں جو سب کو یاد ہے۔

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد

ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد

اے نبی کہہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہے کہ اللہ ایک ہے ہم نہ کہیں کہ یہ تو نبی کو حکم ہے ہمیں تو نہیں۔ ہم دو تین چار جتنے مرضی اللہ بنالیں اور کہہ لیں۔ کچھ عقل اور دانش سے کام لو۔ اللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ آپ میرے یکتا و تنہا بے نیاز و بے مثل ہونے کا اعلان کریں لیکن ہم کہیں کہ ایسا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریں یا کہیں ہم کیوں کریں یا کہیں۔ اب ان صاحب کی حالت

تک تک دیدم، دم نہ کشیدم

والی ہو گئی تو تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ احقر نے نئی نسل کے بیسیوں افراد کو مثبت انداز میں سمجھایا لیکن اپنی عمر سے بڑوں کو کم ہی سمجھا سکا کہ بڈھے طوطے پڑھانا مشکل ہے اب ایک مولوی صاحب اپنی خاص ترنگ اور لے میں پنجابی زبان میں عجیب و غریب حکایات سنا کر قائل کرتے اور پکا کرتے ہیں کہ وہ کسی صحیح مسلک و مشرب کے واعظ یا مقرر کی بات ہی نہیں سنتے یہ پورے ملک میں ہو رہا ہے اور شرک جلی یا خفی کی عام دعوت دیجا رہی اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر سجدے کیے جا رہے ہیں ان سے حاجتیں مانگی جا رہی اور ان کے نام کی نذر و نیاز دی جا رہی ہے اور اکثر مساجد میں خطباء کا یہی موضوع ہوتا ہے تعمیر سیرت، اصلاح معاشرہ کی بات کریں تو امامت خطابت پر زد پڑتی اور چودھری ملک ناراض ہوتے ہیں۔

جب موحد علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی خالق و مالک و رازق اور عبادت کے لائق ہے سب اس کے محتاج ہیں تو فوراً ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ دیکھو یہ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ تم ہمارے اولیاء کو نہیں مانتے ورنہ صحیح اولیاء و صلحا تو ہمارے سروں کے تاج ہیں اور ہمیں انہی کے ذریعہ دین پہنچا لیکن حیرانی کی انتہا ہے کہا جاتا ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ کچے دھاگے سے بندھ کر اٹھارہ سال تک کنویں میں لٹک کر عبادت کرتے رہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی گیارھویں والے پیر نے معراج کی رات نبی

ﷺ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر براق پر سوار کرایا اور ایک مائی کا بیٹا فوت ہو گیا تو اس کے رونے دھونے پر شیخ نے عزرائیل کو آسمان پر جاتے ہوئے پکڑ لیا اور ان سے تھیلا چھین کر الٹ دیا جس سے وہ تمام روحیں جن کو وہ قبض کر کے لیجا رہے تھے وہ دوبارہ زندہ ہو گئے ان میں اس مائی کا بیٹا بھی تھا عزرائیل نے اللہ تعالیٰ سے جا کر شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ اور تو نہیں کہا عزرائیل نے کہا نہیں اور کچھ نہیں کہا تو اللہ تعالیٰ نے کہا شکر ہے (کس کا شکر اللہ نے ادا کیا) کہیں یہ نہیں کہدیا کہ دوبارہ زمین پر کسی کی روح قبض کرنے نہ آنا یہ خوش طبعی یا ظرافت اور لطیفے نہیں ہیں کتابوں میں لکھی جاتی اور وعظوں میں بیان کی جاتی ہے۔ میاں چنوں ہی میں ایک فیروز پور روڈ کے شہباز خطابت نے کہا کہ قرآن پاک سے گیارھویں ثابت ہے اور من جملہ دلائل کیلئے قرآن پاک کی دو آیتیں پڑھیں

والفجر و لیال عشر میرے محبوب مجھے قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔ دن دسواں اور رات گیارھویں احد عشر کوکبا (یوسف): گیارہ ستارے یوسف کو سجدہ کر رہے تھے (یوسف علیہ السلام کا خواب) دیکھو قرآن مجید ثابت کر رہا ہے (آپ سبحان اللہ کیا دلائل ہیں قرآن پاک جو سات صد برس حضرت شیخ جیلانی سے پہلے نازل ہوا اس میں شیخ کی گیارھویں کا ذکر ہے اور اپنی معراج کی رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر بٹھاتے ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ اپنی آنکھوں پڑھی ہوئی اور کانوں سنی ہوئی باتیں ہیں۔ قاسمی مرحوم اس طرح کی باتوں، عقائد اور اوہام کی اصلاح کرتے تھے۔ اسی لیے یہ انہونی کہانیاں بیان کرنا پڑیں۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی فرمایا کرتے تھے کہ پیشہ ور واعظ جد تک کوئی انہونی بات نہ کریں عوام کو جس نہیں آوندی تے تقریر مقبول نہیں ھندی

....

ذاتی طور پر کسی کے حاسد ہوتے اور ہر شخص میں کچھ عیوب ہوتے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں نے قاسمی صاحب کو محاسن کا مجموعہ دیکھا اور بہت کم لوگوں کو ان کا حاسد دیکھا۔ ان کے انداز تفہیم کے سب لوگ قائل تھے اس طرح بات کو سمجھاتے کہ دل میں اترتی جاتی۔ پنجاب کے قصبوں اور دیہات میں بے شمار لوگ ان کی تقریریں سن کر متاثر ہوئے اور اپنے خیالات سے توبہ کی۔ لگی لپٹی رکھے بغیر بات کرتے تھے بنجر زمینوں میں ہل چلا کر ان کو قابل کاشت بنایا اور اخلاص و محنت کی برکت سے اپنی زندگی ہی میں اس کا نتیجہ دیکھا۔ دوسروں کی بات کو بہت غور سے سنتے پھر جچا تلا جامع جواب دیتے ویسے شروع ہی سے عام مجالس میں گفتگو کم کرتے تھے اپنے خوش باش اور بے تکلف دوستوں میں ہنسی مذاق کرتے اور لطائف ظرائف سنتے سناتے تھے مگر کبھی ایسی مجلس میں جانے اور بیٹھنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ جس زمانے میں ہماری آپس میں آشنائی ہوئی میری عمر اس وقت بائیس سال اور ان کی ۱۷۔۱۸ سال ہوگی اور یہ عمر فطری طور پر اتنی متانت اور سنجیدگی کی نہیں ہوتی لیکن ان دنوں ہم دونوں کو یہ دھن اور لگن تھی کہ زیادہ سے زیادہ جلسے ہوں سفر۔ تقریر یا پھر ملنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا البتہ تقریر میں خوب کھلتے اور حریفوں پر خوب برستے۔ میاں چنوں میں میرے قیام کے دوران میں دیوبندی بریلوی کشمکش ہو گئی تھی۔ احباب نے ان سے وقت لے لیا مجھے علم تھا کہ ان حالات میں ان کی تقریر بہت جارحانہ ہوگی میاں چنوں کا شاید ہی کوئی جلسہ ہوگا کہ جس کا میں داعی نہیں تھا لیکن اس جلسے اور تقریر کی میں نے مخالفت کی کہ اس سے ایک طویل سلسلہ جارحانہ جلسوں کا شروع ہو جائے گا اور میں نے جلسہ کے قریب ایک چھت پر بیٹھ کر تقریر سنی ویسے وہ تقریر بہت

جاندار دلچسپ اور مزاح وظرافت سے لبریز تھی جس پر حریف حضرات نے بھی داد دی اور یہ کہا کہ یہ خطیب اور واعظ ہماری صفوں میں ہوتا تو ہم بھی کسی سے مرعوب نہ ہوتے۔ میرا استدلال یہ تھا کہ آج ہم ایسی جارحانہ تقریر کراتے ہیں کل وہ کرائیں گے پرسوں ہم پھر کرائیں گے اور یوں یہ سلسلہ طویل ہوتا جائے گا۔ ضروری نہیں کہ تمام شہریوں کو ان مسائل سے اتفاق ہو کچھ لوگ خصوصاً نئی نسل کے پڑھے لکھے نوجوان جنکی دینی علمی سطح کم ہے یا غیر جانبدار ہیں وہ دونوں طرف کے علماء کو آیات قرآنی اور احادیث نبوی پڑھتے سنیں گے تو ان کا ذہن ومنتشر اور پراگندہ ہوگا اور ممکن ہے دو چار دین ہی سے بیزار ہو جائیں اگر ایسا ہوا اور کل قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا تو بتاؤ کیا جواب دیں گے مجھ میں تو ہمت نہیں ہے کہ اس سوال کا سامنا کرسکوں لیکن جذبات میں کون کسی کی سنتا ہے یہ سلسلہ بڑھا تو دونوں طرف کے تھانے میں قلندرے بن گئے اور اب ضمانتوں کے متعلق سوچا جانے لگا کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ لگ گئی اور یوں یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

قاسمی مرحوم بھی آخری عمر میں یہ کہا کرتے تھے کہ مثبت انداز میں تبلیغ کرنا چاہیے یہ زیادہ موثر ہوتی ہے میں ابتداء ہی سے اس کا قائل رہا اور یوں اور اس کے خوشگوار اثرات دیکھے بات کہنے کی نہیں میں پہلے دن سے مسلک حقہ (اکابر دیوبند کے مسلک کو) شعوری طور پر اقرب الی الکتاب و السنۃ سمجھتا ہوں اپنے آپ کو اس کیلئے وقف کر رکھا ہے اور اپنی امکانی سعی سے اسی کام میں لگا رہتا ہوں۔

جس طرح ہمارے ملک میں ہر جماعت میں دھڑے بندی ہے اور ہر دینی جماعت میں مختلف لوگ ہیں برطانیہ میں بھی ایسا ہی ہے اور اس کے جراثیم یہیں سے گئے ہیں۔ برطانیہ میں جمعیت علماء اسلام کے ایک زمانے میں دو گروپ تھے شاید آج ہمارے ملک کی طرح وہاں بھی تین ہوں۔ کئی برس پہلے برمنگھم یا شاید کسی اور شہر میں ایسے ہی ایک گروپ کا اجلاس ہو رہا تھا اس میں قاسمی مرحوم بھی تھے اور انہی کے ساتھی اس تقریب میں شریک تھے مجھ سے انجانے میں یہ بات ہو گئی کہ جنگ لندن میں میرے ایک دوست ہیں تو قاسمی مرحوم کے ایک بہت منہ چڑھے مقرب نے کہا کہ پھر ہماری خبریں اخبار میں لگوا دیا کریں میں نے کہا کہ کل کو دوسرا فریق کہے گا اور میں اسی شوق فضول میں وقت ضائع کرونگا تو انہوں نے کہا کہ گویا تم ہمارے ساتھ نہیں ہو میں نے کہا ایسا نہیں ہے نہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور نہ ان کے ساتھ انہوں نے کہا تو پھر آپ کی کیا پوزیشن ہے تو میں نے کہا کہ میں ہر اس شخص کا کفش بردار ہوں جو مسلک کی خدمت کر رہا ہے۔ شاید بات طول پکڑ جاتی۔ قاسمی مرحوم نے کہا کہ ارشد کے کام کرنے کا اپنا ایک انداز ہے اسے اسی طرح کام کرنے دو اس کو آپس کے اختلافی مسائل میں نہ الجھاؤ۔

جیسا کہ شروع میں گذرا راقم نے قیام پاکستان سے قبل لائل پور کو جغرافیے میں ضلع کی حیثیت سے اور حضرت مفتی محمد یونسؒ کے حوالے سے ان کو خطیب شہر کہا جاتا تھا جانا۔ پاکستان آ کر پہلی دفعہ کوئی بڑا شہر دیکھا تو آٹھ بازاروں اور گھنٹہ گھر کی انفرادیت سامنے آئی پھر یہ پاکستان کا مانچسٹر مشہور ہوا کہ یہاں ٹیکسٹائل کے کام کو فروغ ہوا اس کے بعد مفتی زین العابدین۔ مولانا تاج محمود والد صاحبزادہ مولانا طارق محمود مولانا مجاہد الحسینی حافظ لدھیانوی کہ جن کے نعت کے مجموعے برصغیر میں سب سے زیادہ شائع ہوئے مولانا مفتی سیاح الدین اشاعت العلوم زرعی کالج (جواب زرعی یونیورسٹی ہے) ہاں میرے ایک ہم نام بھی اسی شہر میں

رہتے ہیں کہ ہم نامی کی وجہ سے ان کی نیکیاں میرے نام اور میری برائیاں شاید ان کے نام لکھی ہوں۔ مولانا محمد انوری، مولانا انیس الرحمن لدھیانوی کی وجہ سے پہچانا پہلے یہ ایک انگریز کے نام پر لائل پور پھر شاہ فیصل شہید کے نام پر فیصل آباد بنا لیکن جو شہرت ایک دینی درد رکھنے اور اپنے آپ کو تبلیغ دین میں وقف کرنیوالے مولانا ضیاء القاسمی کیوجہ سے اس کو پاکستان اور بیرون پاکستان ہوئی کہ جنھوں نے پاکستان میں خطابت کی۔ رح ڈالی اور نئی نسل کے پچاسوں نوجوان ان کے خوشہ چین ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے ان کو ہزاراں ہزار علما، خطباء اور مشائخ وصلحا نے نماز پڑھ کر ۳۰ دسمبر ۲۰۰۰ء کو انکے قائم کردہ جامعہ قاسمیہ میں زمین کے سپرد کردیا گیا ان کی زبان پر آخری کلمہ یہ تھا کہ یا اللہ گواہ رہنا میں تیری توحید کی گواہی دیتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں وہ مسلک حقہ کی ایک قسم کی دولت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی تھی اور ہم سے اسے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ لے لیا۔

سپردم بتو مایہ خویش را   تو دانی حساب کم وبیش را

الصادق الوعد الامین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ۔

من قال لا الہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ جس نے کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

ہمیں اپنے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انکی رحمت واسعہ وکاملہ سے پوری امید ہے کہ وہ اپنی توحید کے متوالے (مستانے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے پروانے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دیوانے کی خدمات کو قبول فرماتے ہوئے ...... ان الابرار لفی نعیم کے زمرہ میں شمار فرماتے ہوئے اپنے اکابر رحمھم اللہ کے ساتھ جمع فرمائیں گے ان کا نام محمد، ضیا تخلص اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی نسبت سے اپنے آپ کو محمد ضیاء القاسمی لکھتے تھے۔

سجع شعر میں یا نثر کے آخر میں آنے والے لفظ کو کہتے ہیں یہ ایک سند ہے قاضی احسان احمد شجاع آبادی بیان کیا کرتے تھے ایک آدمی کا نام والدین نے محمد کالے رکھ دیا وہ پریشان رہتا ایک صاحب ذوق نے اس کا سجع نکالا

ہردم نام محمد ﷺ کالے

میں یہاں قرآن مجید کی ایک آیت بطور سجع اپنے مرحوم دوست کے لئے لکھتا ہوں۔

من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء۔ کون ایسا الٰہ ہے اللہ کے سوا جو ضیاء کو لائے (کوئی نہیں کوئی نہیں)

☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

شہباز خطابت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ ۔۔۔۔۔حیات وخدمات

۲۰۰۰ء اہل حق کے لیے عام الحزن سے کم نہیں کئی ایک حضرات جو اپنے اپنے فن کے امام ومقتدا، تھے کی رحلت کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ابھی شہید ختم نبوت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت سے پیدا ہونیوالی صورت حال سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ استاد المناظرین، فاضل اجل، عالم بے بدل حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ جو فن مناظرہ میں عدیم النظیر تھے کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔۔۔ ابھی اس پر آنسو خشک نہیں ہوئے تھے۔ کہ مجاہد ملت مولانا محمد لقمان علی پوریؒ جو ایک صاحب طرز خطیب اور واعظ ومقرر تھے۔ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کے بعد مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کی وفات سے خطابت یتیم ہوگئی۔ موصوف صرف خطیب ہی نہیں بلکہ خطیب گر تھے۔ ان کی صحبت سے کئی ایک حضرات خطیب بنے۔ اور آپ کو فن خطابت میں وافر حصہ ملا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ خطابت کسی نہیں وہبی چیز ہے جو عطیہ خداوندی ہے۔ اللہ پاک جسے چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں۔ اس کے برعکس تقریر ایک ایسا فن ہے جو محنت اور مشق سے حاصل ہوتا ہے۔ تقریر جس قدر محنت اور شوق وذوق سے کی جائیگی اسی قدر اس میں نکھار پیدا ہوتا جائے گا .... جس قدر دلائل، استدلال اور ترتیب وربط پیدا ہوتا جائے گا۔ اسی قدر تقریر میں جوبن پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ خطیب کو تقریر کا ملکہ تو ہوتا ہے۔ مگر ہر مقرر میں خطابت کا جوہر موجود ہونا ضروری نہیں .... آپ خطیب گر تھے .... ان کی خطابت میں سحر کی کیفیت محسوس ہوتی تھی ان میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ کہ ایک ہی وقت میں ہنساتے تھے اور رلاتے بھی تھے۔ تشبیہات .... استعارات .... واقعات اشعار اس قدر مربوط اور جڑے ہوئے ہوتے تھے .... کہ کوئی لفظ بھی بے موقع اور بے سلیقہ نہیں ہوتا تھا۔

ان کی تقریر سے خطابت کے کئی اہم اوصاف کی تعلیم ملتی تھی۔ کہاں تقریر میں تلاطم ہونا چاہیے .... اور کہاں ٹھہراؤ ضروری ہے .... کہاں قوت استدلال کی ضرورت ہے .... اور کہاں لطافت ہونی چاہیئے جلال کہاں ہو اور جمال کہاں ہو مزاح کہاں ہو اور سنجیدگی کہاں، ان کی تقریر جہاں عوام کے قلوب واذھان کو جلا بخشتی تھی .... وہاں خطباء ومقررین کیلئے کئی ایک مضامین توحید .... رسالت .... عظمت اصحاب رسولؐ .... رد بدعات .... رد قادیانیت .... پر سیر حاصل گفتگو فرماتے .... اور گھنٹوں گفتگو کر سکتے تھے بلکہ کرتے تھے ....

تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء میں قائدانہ کردار

تحریک ختم نبوت سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے بلکہ خطابت کے اسرار ورموز عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی راہنماؤں مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھریؒ سے سیکھے۔ مناظرانہ طرز استدلال، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات فاتح قادیان کی صحبت سے حاصل کیا۔ اپنی خطابت کے آغاز سے تا زیست عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کو حرز جان بنائے رکھا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ کئی روز تک ملک بھر کا طوفانی دورہ کر کے تحریک کو کامیاب کرنے کے لئے

اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۸۴ء میں قائد تحریک ختم نبوت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے سیالکوٹ کی عظیم کانفرنس میں ان کی دستار بندی کرائی۔ جو گویا ان کی عظیم خدمات کا اعتراف تھا اسی تحریک کے دوران گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ گرفتاری کے بعد بہاولپور کی جیل میں قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ بندہ ان دنوں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے بہاولپور میں تبلیغی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ انہیں قریب سے دیکھنے اور خدمت کی سعادت کا موقع ملا۔ یہ ان کی خطابت کے عروج کا دور تھا جہاں اور محاذ سنبھالے رکھے وہاں قادیانیت کے خلاف بھرپور کردار ادا کیا۔

احباب کے رنج وغم میں شرکت

۔۔۔عموماً یہ ہوتا ہے کہ شادی وخوشی میں تو ہر کوئی شریک ہو جاتا ہے۔ جب کوئی مشکل وقت آئے تو بہت سے احباب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت مولانا میں یہ خوبی تھی۔ کہ شادی میں بیشک شرکت نہ کریں لیکن غمی میں ضرور شرکت فرماتے۔ بندہ کا مولانا سے کوئی گہرا تعلق نہیں تھا لیکن جب بھی کسی عزیز کی وفات کی خبر پڑھی فوراً تعزیت نامہ ارسال کیا۔ بندہ کا جواں سال بیٹا عزیزی حسن معاویہ چودہ سال کی عمر میں دسمبر ۱۹۹۶ء میں فوت ہوا۔ تو بذات خود تین مرتبہ لاہور تعزیت کیلئے تشریف لائے اگرچہ سوئے قسمت کہ تینوں مرتبہ بندہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن تعزیتی پیغام چھوڑ کر گئے۔ بندہ کے چچازاد بھائی میاں عبدالرحمان مرحوم (والد مولانا محمد قاسم رحمانی) فوت ہوئے ماہنامہ لولاک ملتان (تب ہفت روزہ فیصل آباد) میں خبر چھپی۔ سب سے پہلا تعزیت نامہ مولانا کا موصول ہوا۔ اور ایک چچازاد بھائی صوفی محمد رمضان مرحوم (والد محمد اسحاق نعت خواں) کا انتقال ہوا۔ مولانا کی خبر پر پہلا تعزیتی خط مولانا مرحوم کا موصول ہوا جس میں انہوں نے ڈھارس بندھوائی۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنا

حضرت مولانا میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ چھوٹوں کو بڑا بناتے اور خوب حوصلہ افزائی فرماتے اور داد دیتے۔ ۱۹۹۷ء میں ایک بدبخت یوسف کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنی ۲۸ فروری کی جمعہ کی تقریر میں اپنے چیلے چانٹوں کو صحابہ کرام قرار دیا اور اسی تقریر میں قرآن پاک کی بعض آیات کو (نعوذ باللہ) شرارتی قرار دیا اور اہانت رسول کا ارتکاب بھی کیا تو بندہ نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت کے حکم پر کذاب کے خلاف کیس کیا۔ کیس مختلف مراحل سے ہوتا ہوا جب سیشن کورٹ میں سماعت ہوا۔ سیشن جج لاہور جناب میاں محمد جہانگیر نے کذاب کے خلاف جاندار اور شاندار فیصلہ تحریر کیا کذاب کو سزائے موت، ۲۵ سال قید بامشقت اور دو لاکھ جرمانہ کی سزا سنائی۔ یہ فیصلہ جونہی اخبارات کی زینت بنا مولانا مرحوم مبارکباد دینے کے لئے دو تین مرتبہ دفتر لاہور تشریف لائے اور بہت ہی حوصلہ افزائی فرمائی۔ نیز اس فیصلہ کو بندہ کی مغفرت کا باعث قرار دیا۔ جب بھی لاہور تشریف لائے ٹیلی فون کر کے بلا لیتے یا کم از کم خیر وعافیت ہی معلوم کر لیتے۔ جزاہ اللہ احسن الجزا

فرقہ واریت سے اجتناب کی تلقین

مرحوم ایک عرصہ تک جارحانہ انداز خطابت اختیار کیے رہے بالخصوص بریلوی مکتب فکر کو آڑے ہاتھوں لیتے رہے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ملک وملت کے وسیع تر مفاد کے لئے آپ نے اپنا طرز عمل تبدیل کر لیا، اور سپاہ صحابہؓ کی سرپرستی فرماتے ہوئے رافضیت کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سینئر مبلغ مولانا خدا بخش کے ہاں شجاع آباد میں تبلیغی جلسہ میں ایک مرتبہ تشریف لائے بندہ بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور صبح کے ناشتہ کی دعوت دی جو موصوف نے قبول فرمائی اور دوسرے دن صبح میرے گاؤں تشریف لائے۔ بندہ نے مدرسہ تعلیم القرآن صدیقیہ کے صحن میں بیٹھنے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ جب علاقہ میں اہل بدعات کے شور وغل اور مدرسہ کی مخالفت کا سنا تو کہنے لگے کہ میری ایک وصیت یا نصیحت یاد رکھیں کہ بریلویوں کو کچھ نہ کہنا، میں نے تعجب سے دیکھا تو فرمانے لگے کہ آپ اس لئے تعجب سے دیکھ رہے ہیں کہ میں نے ۲۵ سال جارحانہ تقریریں کی ہیں لیکن ان کا فائدہ کم نقصان زیادہ ہے۔ آپ صرف اور صرف تعلیم پر توجہ رکھیں اور بڑے سے بڑے مخالف کے بچوں کو خندہ پیشانی سے پڑھائیں انشاء اللہ عنقریب میدان آپ کے ہاتھ میں ہوگا کیونکہ بریلوی عوام بے قصور ہونے کے ساتھ ساتھ مثبت اصلاح کے مستحق ہیں۔

کچھ عرصہ قبل شیخ زاید ہسپتال لاہور میں زیر علاج تھے۔ مولانا خدا بخش صاحب کی معیت میں ملاقات وعیادت کے لئے حاضری ہوئی تو فرمانے لگے کہ حافظ والا شجاع آباد میں جلسہ سے فراغت کے بعد شجاع آباد کے مولانا سراج احمد قریشی نے ناشتہ کی دعوت دی جسے میں نے قبول کیا حیات وممات کے متعلق گفتگو ہوئی تو میں نے کہا ۱۹۶۲ء میں جب حیات وممات کا مسئلہ زوروں پر تھا۔ تو حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ دیوبند سے تشریف لائے اور انہوں نے فریقین کو اکٹھا کر کے ایک مصالحتی فارمولہ پر دستخط لئے۔ حضرت قاری صاحبؒ جیسا حکم اور ثالث اسوقت پورے ملک میں کوئی نہیں اور فریقین میں خیر العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا غلام اللہ خاں، سید عنایت اللہ شاہ بخاری جیسے علماء نہیں تو اسی فارمولہ کے مطابق مسئلہ حیات وممات کو سٹیج پر نہیں لانا چاہیے۔ بلکہ یہ صرف علماء کرام کی حد تک اختلافی رہے تو تفرق وانتشار سے قوم محفوظ رہے گی۔

مولانا اس انداز سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اس کا اضطراب ان کے چہرہ سے نظر آ رہا تھا۔ یہ بات ہوئی کہ فلاں صاحب نے مابین منبری روضة من ریاض الجنة جیسی صحیح حدیث کا مفہوم بگاڑتے ہوئے گنبد خضرا کا جو تمسخر اکیا ہے کہ یہ کیسی جنت ہے کہ جس میں شیعہ اور بدعتی تمام جاتے ہیں

حضرت قاری صاحبؒ کا فیصلہ

مسئلہ حیات وممات پر حضرت قاری صاحبؒ نے فریقین سے گفتگو کی اور دلائل سننے کے بعد فرمایا۔ "عامۃ المسلمین کو فتنہ و نزاع وجدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ہر دو فریق کے ذمہ دار عبارت درج ذیل پر دستخط فرمائیں یہ (عنوان) مسئلہ کا قدر مشترک ہوگا۔ ضرورت پڑنے پر اسی کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے عبارت حسب ذیل ہے:"

"وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں"

احقر۔ محمد طیب وارد حال راولپنڈی ۲۲۔ جون ۱۹۶۲ لاشئی (مولانا) غلام اللہ خان

لاشئی (مولانا قاضی نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ

(مولانا) محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ

اس مختصر عبارت کی کافی تفصیل چونکہ مولانا قاضی شمس الدین نے اپنے مکتوب میں لکھ کر مولانا محمد علی جالندھری کو بھیج چکے تھے لہٰذا عبارت بالا ان کی مسلمہ ہے چونکہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری بوجہ علالت تشریف نہ لا سکے اس لئے احقر کے عرض کرنے اور مسودہ پیش کرنے پر مولانا قاضی نور محمد اور مولانا غلام اللہ خان نے ان کے بارے میں حسب ذیل تحریر دستخط کر کے بندہ کو عنایت فرمائی جس کا متن بلفظہ حسب ذیل ہے۔

ہم (قاضی نور محمد، مولانا غلام اللہ خاں) پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے اس تحریر پر دستخط کروائیں۔ جس پر ہم نے دستخط کیے اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات النبی ﷺ اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے۔ نیز اپنے جلسوں میں مسئلہ حیات پر ان سے نہ تقریر کرائیں گے اور اس مسئلہ میں وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو اس بارے میں ان کو مدد نہ دیں گے۔

نور محمد خطیب قلعہ دیدار سنگھ۔ لاشئی غلام اللہ خاں

۲۲ء جون ۱۹۶۲ء منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۵/۴۴

یہ مصالحتی فارمولا مولانا ضیاء القاسمی صاحبؒ نے شجاع آباد کے خواجگان کو پیش کر کے انہیں اس نزاع وجدال اور مسموم تقاریر کرنے سے منع کیا خدا کرے کہ وہ حضرات مولانا مرحوم کیساتھ تعلق کی وجہ سے ان کی حیات میں نہ سہی وفات کے بعد ہی اس پر عمل کر لیں۔

مولانا خدا بخش راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا شجاع آباد تشریف لے آئے۔ ملک کے ایک اور نامور خطیب بھی ایک مدرسہ میں مدعو تھے احباب نے مل کر جلسہ اکٹھے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مقابلہ میں بریلوی دوستوں نے جلسہ شروع کر دیا جس سے تصادم کی صورت ہو چلی تھی کہ دوسرے خطیب صاحب نے بغیر مشاورت کے جلسہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ مولانا نے اس کو شدت سے محسوس کیا اور شجاع آباد کے احباب سے ناراض ہو گئے۔ دو تین سال کا عرصہ ایسا گزرا کہ شجاع آباد کے کسی ساتھی کو پروگرام دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس دوران خواب میں انہیں خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی کی زیارت ہوئی انہوں نے شجاع آباد سے بائیکاٹ پر افسوس کا اظہار فرمایا تو مولانا نے از خود فرمایا کہ میں شجاع آباد میں آنا چاہتا ہوں چنانچہ پروگرام رکھا گیا تو آپ نے اسی خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت قاضی صاحبؒ کے حکم پر حاضر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریر: محمد عثمان بیگ فاروقی پرسنل سیکرٹری حضرت قاسمیؒ

عظیم موحد، عاشق رسول، پاسبان اسلام، ترجمان دیوبند شہباز خطابت،

حضرت اقدس مولانا **محمد ضیاء القاسمی** رحمۃ اللہ علیہ

مبلغ تجھ سا اب پیدا نہ ہوگا پھر زمانے میں

ملے گا تذکرہ تیرا محبت کے فسانے میں

دنیا سے جانا تو ہر ایک نے ہی ہوتا ہے مگر کچھ لوگ اس انداز سے دنیا سے جاتے ہیں کہ اپنے پیچھے سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں آنکھیں اشکبار اور بے شمار قلوب واذہان کو بے قرار چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔۔

ایسے ہی ہمہ صفت موصوف لوگوں میں سے ایک میرے مربی ومحسن میرے روحانی والد حضرت مولانا ضیاء القاسمیؒ بھی ہیں۔۔ انہوں نے تقریباً نصف صدی اسلام کی عظمت کی پاسبانی، توحید وسنت کی دعوت، شرک وبدعت کی بیخ کنی، ناموس صحابہؓ کی حفاظت جیسے فرائض کٹھن ترین حالات میں ادا کئے۔۔

بقول حفیظ جالندھری ع

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بعد جب وقت کو کسی خطیب کی صورت میں پاسبان اسلام کی ضرورت پڑی تو مولانا ضیاء القاسمی ایک نظریہ ایک موقف بلکہ اگر یوں کہوں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ ایک عقیدہ لیکر میدان خطابت میں اترے اور پھر انہیں اپنا مقام پیدا کرنے میں کوئی زیادہ وقت پیش نہیں آئی بلکہ حضرت قاسمیؒ صاحب کے بقول "قرآن اپنا راستہ خود بناتا ہے" حضرت قاسمیؒ کی قرآنی دلائل سے لبریز عقائد کی دعوت پر مشتمل تقاریر نے لوگوں کو بہت جلد اپنا گرویدہ بنالیا اور پھر شاہ جی کے جلسوں کے اکثر سامعین حضرت قاسمیؒ کے جلسوں کی رونق نظر آنے لگے اور یہ جملہ حضرت قاسمیؒ کی تقریر کے اختتام پر ہر کسی کی زبان پر ہوتا تھا کہ "شاہ جی توں بعد اج کسے دی تقریر سن کے سواد آئی اے" باقی جو کسر رہ گئی تھی وہ دار العلوم دیوبند جاکر شیخ العرب والعجم حضرت اقدس سید حسین احمد مدنیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے سے پوری ہوگئی۔۔۔

اس کے بعد تو حضرت شیخ کی محبت نے وہ اثر دکھایا کہ بڑے بڑے اکابر علماء حیران ہونے لگے۔۔۔۔ جلسوں میں لوگوں کی تعداد پہلے سے زیادہ ہونے لگی لہجے اور انداز میں پختگی آنے لگی حضرت قاسمی کے جملے لوگوں کے دلوں پر سحر طاری کرنے لگے۔۔ یہ کیا تھا۔۔۔ صحبت حضرت مدنیؒ کا اثر تھا۔۔۔

توحید کی دعوت کا اس انداز سے چوکوں، چوراہوں، گلی کوچوں، دیہاتوں شہروں اور بیرون ممالک میں بیان ہونا حریفوں کو کب برداشت تھا انہوں نے مولانا ضیاء القاسمی کا راستہ روکنے کیلئے تمام اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے لیکن

قصر سلطاں کی فلک بوس فصیلوں پہ نہ جا
آئیں طوفان تو رکتے نہیں دیواروں سے

پھر دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ ایک ہی سٹیج پر مولانا ضیاء القاسمی اپنے بڑوں کے ساتھ آنے لگے اور پھر بڑوں کی محبت اور رفاقت بھی ان کو بڑا بنانے لگی، مولانا ضیاء القاسمی نے حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، محافظ ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھری، قاطع رافضیت مولانا دوست محمد قریشی، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، زعیم ملت مولانا مفتی محمودؒ سمیت اپنے وقت کے ممتاز اور اکابر علماء کے ساتھ ہر محاذ پر اسلام کی خدمت کی۔۔۔۔۔ متعدد تحریکوں میں مولانا ضیاء القاسمی نے نہ صرف مجاہدانہ بلکہ لیڈرانہ اور بے باکانہ کردار ادا کیا تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفےٰ، تحریک مدح صحابہؓ، تحریک رد بریلویت اور تحریک اصلاح مودودیت میں مولانا ضیاء القاسمی کا کردار سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔۔۔ مولانا ضیاء القاسمی نوجوانوں کو عالم اسلام کا سرمایہ سمجھتے تھے اور ہر طرح سے انکی سرپرستی فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں نوجوان رضا کاروں کی ایک کثیر تعداد ان کے شانہ بشانہ رہی ہے۔۔۔ مولانا ضیاء القاسمی نے نوجوانوں کو علمی تربیت دیکر ہر محاذ پر دشمنان اسلام کے خلاف اپنے علم کے ذریعے دلائل کی جنگ لڑنے کے قابل بنایا۔۔۔ بہت سے خطباء کو خطابت سکھا کر بولنے کے قابل بنایا۔۔ بہت سے نوجوانوں سے بزدلی چھین کر انہیں بہادری اور جوانمردی سکھائی۔۔۔۔ بہت سے نوجوانوں کو سکول ٹیچری سے ہٹا کر اسلام کا سپاہی بنایا۔۔۔ بہت سے نوجوانوں کو فن مناظرہ میں طاق بنا کر دشمن اسلام کا راستہ روکنے کی سعی کی۔۔۔ میرے خیال میں مولانا ضیاء القاسمی کی یہ تاریخی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔۔۔

راقم الحروف کو بھی کچھ عرصہ حضرت مولانا ضیاء القاسمی نور اللہ مرقدہ کی صحبت میں گزارنے کا شرف حاصل رہا ہے اور میں نے محسوس کیا ہے کہ مولانا ضیاء القاسمی کی ضیاپاشیاں واقعی ذروں کو آفتاب بنانے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔۔۔ راقم کو جو کچھ ان کی صحبت میں رہ کر حاصل ہوا میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ ساری زندگی درس نظامی کی کتب اور بڑی بڑی ضخیم کتب کی ورق گردانی سے بھی حاصل نہ ہو سکا۔۔۔۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ

کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضرت مولانا ضیاء القاسمیؒ سے کسب فیض کرنے سے محسوس کرتا ہوں کہ

آنکھوں میں بس گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن کسی کی نظر میں رہا ہوں میں

مولانا ضیاء القاسمی نے ساری زندگی مجاہد بن کر گزاری اور مجاور بننے سے گریز کیا۔۔۔۔۔ سپاہ صحابہؓ کے بننے سے لیکر تادم آخر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ امی عائشہ کے دوپٹے کے محافظوں اور سپاہ صحابہؓ کے شاہینوں کی سرپرستی جاری رکھی۔۔۔ ایک ادنیٰ کارکن سے لیکر اعلیٰ قیادت تک ہر ایک کی مصیبت میں بے لوث انکی مدد کرنا مولانا ضیاء القاسمی کا محبوب مشغلہ تھا۔۔۔۔

حضور ﷺ اور صحابہ سے محبت اس قدر تھی کہ جب حضور ﷺ کی تبلیغ اور مصائب کا ذکر آتا تو آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں پرونے لگتیں۔۔صحابہ کا ذکر آتا تو رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آتے۔۔۔۔۔۔یہ ایک حقیقت ہے کہ جب آدمی کو عروج ملتا ہے تو جہاں محبت کرنے والوں کی ایک جماعت ملتی ہے وہاں حاسدین اور معاندین کا ایک ٹولہ بھی مقابل آجاتا ہے۔۔مولانا قاسمی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔۔۔۔۔

مولانا ضیاء القاسمیؒ مجھے اکثر یہ شعر سنا کر اپنے کرب کا اظہار فرماتے تھے کہ

زندگی بھر سنگ برساتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات ہے دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اور ہوا بھی ایسے ہی کہ جب ضیاء القاسمی نامی پھول چمن میں اپنی خوشبوئیں بکھیر چکا اور داعی اجل کی طرف سے پیغام اجل آگیا تو سپریم کونسل سپاہ صحابہؓ پاکستان کا یہ چیئرمین۔اسلامی نظریاتی کونسل کے تین دفعہ منتخب ہونے والا ممبر،صحابہؓ اور حضور ﷺ کے سچے عاشق نے کلمہ توحید کا ورد زبان پر سجا کر آب زم زم کے پانی سے دنیاوی پیاس بجھا کر دارالبقاء کا سفر اختیار کیا (وہی پانی جس کے قصیدے اس انداز گایا کرتے تھے نہ رنگ بدلے نہ ذائقہ بدلے نہ خوشبو بدلے) تو پھر ہر دوست دشمن کی زبان پر یہی تھا کہ مولانا بہت اچھے آدمی تھے،مولانا نے ساری زندگی توحید کی خدمت کی۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔

مولانا قاسمی کے جنازے میں جم غفیر دیکھ کر تو بلا اختیار منہ سے نکل گیا۔۔۔

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد ، کیا

مولانا ضیاء القاسمی نے اپنی وراثت میں جو سب سے بڑا خزانہ چھوڑا وہ ان کے بنائے ہوئے موحدین کی ایک کثیر تعداد،توحید کا گلشن جامعہ قاسمیہ اور وہ مسجد گول جسکے میناروں سے توحید کا سبق دہرایا جاتا تھا۔۔۔مولانا صاحبزادہ زاہد محمود قاسمی حضرتؒ کے جانشین ہیں اللہ انہیں حضرت ہی کے مشن کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔۔۔۔

جب بھی ناموس صحابہؓ کیلئے قانون معرض وجود میں آئے گا تو مولانا ضیاء القاسمیؒ کی یہ صدا دل پر ضرور دستک دے گی کہ

ہمارا خوں بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

میری آخری ملاقات حضرتؒ کے ساتھ عید کے دن ہوئی۔۔۔جب سارے دوست اٹھ کر چلے گئے میں پھر بھی بیٹھا رہا۔۔۔تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ محبت سے فیض یاب ہونے کے بعد مجھے فرمایا اب جا کر تم عید مناؤ میں آرام کرتا ہوں۔۔۔میں نے عرض کیا حضرت آپکی دید ہی تو میری عید ہے فرمایا اب آرام کرنے کو جی چاہتا ہے۔۔۔مجھے قطعاً معلوم نہ تھا کہ اب تاریخ کے چہرے کو ضیاء بخشنے والا ضیاء القاسمی،جس پہ خطابت ناز کرتی ہے وہ ضیاء القاسمی آرام کرنے سے کیا مراد لے رہے ہیں وہ تو شاید آرام کرنے کا کر یہ اشارہ دے رہے تھے کہ کل کسی وقت شام سے پہلے میں تیرا شہر چھوڑ جاؤں گا۔

حضرت قاسمی کی جدائی کا غم دلوں میں برسوں تازہ رہے گا۔

تیرے بعد اس محفل میں اندھیرا رہے گا۔
ہزاروں چراغ جلائیں گے روشنی کیلئے۔